حیاتِ و تعلیماتِ

حضرت سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ



زاویہ پبلشرز

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ۔ لاہور

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

حیات و تعلیماتِ

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ - لاہور
voice: 042-37300642 - 042-37112954
Email:zaviapublishers@gmail.com
Website: www.zaviapublishers.com

2016ء

بار اول..........................1000

ہدیہ..........................260

ناشر..........................نجابت علی تارڑ

{لیگل ایڈوائزرز}

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

{ملنے کے پتے}

زاویہ پبلشرز
شوروم
ظہور ہوٹل دکان نمبر 2
دربار مارکیٹ۔ لاہور
voice: 042-37300642 - 042-37112954
Email:zaviapublishers@gmail.com
Website: www.zaviapublishers.com

صبح نور پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور	0423-7350476
مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، کراچی	021-34926110
مکتبہ برکات المدینہ، کراچی	021-34219324
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
الحمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5558320
اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5536111
مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد	022-2780547
مکتبہ مہتینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بھاول پور	0301-7728754
نورانی ورائٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان	0321-7387299
مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ باب الاسلام، فیضانِ مدینہ، حیدر آباد	0313-4812626
مکتبہ حسان اینڈ پرفیومرز پرانی سبزی منڈی کراچی	0331-2476512
رضا بک شاپ، میلاد فوارہ چوک، گجرات	0300-6203667
مکتبہ فریدیہ، ھائی سٹریٹ ساھیوال	040-4226812

بزم باہو رحمۃ اللہ علیہ (لاہور) کے اراکین

جناب میاں محمد جاوید (صدر)

اور

جناب راجا رسالو (جنرل سیکرٹری)

کے نام

جن کی مساعیٔ جمیلہ نے جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا۔

اجمالی فہرست



تفصیلی فہرست



"حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ...... حیات و تعلیمات" پیشِ خدمت ہے۔
اسے لکھتے ہوئے نیت یہ رہی ہے کہ اس سے تمام قارئین خاص و عام بہرہ اندوز ہو سکیں۔ اس سے پہلے دو کتب "احوال و مقاماتِ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ" اور ترجمہ و شرح رسالہ "روح" لکھی گئیں مگر بعد ازاں بعض احباب نے رائے دی کہ وہ تصوف کے بارے میں ابتدائی معلومات نہ رکھنے والے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی ذہنی سطح سے بلند تر ثابت ہوئی ہیں۔ لہٰذا اب کسی کتاب کی تالیف ضروری سمجھی گئی جو ہر سطح پر قاری کے لیے مفید اور معلومات افزا ہو۔ اللہ کرے کہ زیرِ نظر کتاب سے مجھ فقیر کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں لکھتے ہوئے اب بھی زیادہ تر انحصار "مناقبِ سلطانی" پر ہی کرنا پڑتا ہے جو حضرت سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے پانچویں پشت میں ایک بزرگ حضرت صاحبزادہ سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ انہوں نے ان روایات کی روشنی میں حالات لکھے جو بزرگوں اور درویشوں کی زبانی ان تک پہنچیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رد و بدل کے ساتھ وہی روایات یا بعض مزید روایات درگاہ شریف کے عقیدتمندوں اور حضرت

سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے حافظے میں گردش کرتی رہیں اور ان کی روایت و حکایت بھی جاری رہی۔ اس تمام عرصہ میں جو لوگ درگاہ پر رہے وہ بعض اوقات انہیں قلمبند کرتے رہے۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھتے ہوئے اب ان کے ان روایات پر مشتمل یہ مجموعے بھی پیشِ نظر رہے جن میں مندرجہ ذیل اہم ہیں:

۱۔ مخزن الاسرار مؤلفہ فقیر نور محمد سروری قادری کُلا چوی

۲۔ رسالہ سوانح عمری حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ حاجی مولوی محمد دین گجراتی مطبوعہ ۱۹۲۷ء

۳۔ مجموعہ یادداشت حضرت صاحبزادہ سلطان محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ مؤخر الذکر دونوں تحریروں کے لیے یہ فقیر حضرت صاحبزادہ سلطان محمد صفدر علی[۱] کا شکر گزار ہے۔ مولوی محمد دین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ نایاب تھا اور ان کے والد مکرم حضرت سلطان محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یادداشتیں غیر مطبوعہ تھیں۔ انہوں نے ازراہِ کرم اس فقیر کو ان سے استفادہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔

بایں ہمہ یہ بات اب بھی بری حد تک درست ہے کہ بعض روایات کی مزید تصدیق و تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے البتہ اس کتاب میں جہاں تک ممکن تھا، کہیں کہیں روایت کے ساتھ دِرایت سے بھی کام لیا گیا ہے۔

۱؎ یہ اوراق زیرِ کتابت تھے کہ حضرت سلطان محمد صفدر علی ایک موٹر کے حادثہ کے سبب عین عنفوانِ شباب میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔ آپ صحیح معنوں میں اپنے اجداد کے فقر کے وارث تھے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔

تعلیمات پر مختصر نوٹ لکھنے کے بعد حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف موضوعاتِ تصوف و سلوک پر موزوں اور عام فہم ارشادات نقل کیے گئے ہیں جنہیں ان کے تمام رسائل و کتب کے مطالعہ کی غواصی کے بعد منتخب کیا گیا۔ انتخاب کرتے ہوئے ایسے جملے نوٹ کیے گئے جو مفہوم کے لحاظ سے مکمل اور سمجھنے میں آسان ہیں۔

پہلے خیال تھا کہ ان ارشادات کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں مگر وصال سے چند ہفتے قبل حضرت سلطان غلام دستگیر القادری[1] رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ حوالے دے دینے چاہئیں تا کہ اگر کوئی صاحب علم و فہم مزید مطالعہ اور تصدیق و تحقیق کرنا چاہے تو ایسا کر سکے۔ اس کی تعمیل کی گئی اور حوالوں کی فہرست آخر میں دے دی گئی ہے۔

اردو اور فارسی میں عام زبان میں استعمال ہونے والے کئی الفاظ ایسے ہیں جو

---

[1] اس دور میں حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے اسلاف میں حضرت سلطان غلام دستگیر القادری ایک بزرگ شیخ طریقت تھے۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک عارف کامل تھے۔ وزیرستان، بلوچستان اور ڈیرہ جات کے علاقوں میں ان کے ہزاروں مرید تھے۔ اکثر انہی علاقوں میں دوروں پر رہتے تھے اور وہاں کے باشندوں کی تعلیم و تربیت اور فلاح و بہبود میں کوشاں رہتے تھے۔ امسال ۱۹۸۶ء گرمیوں میں دِل کا دورہ پڑنے پر کوئٹہ کے ہسپتال میں داخل ہوئے اور وہیں پر ۹ محرم الحرام ۱۴۰۴ ہجری کو وفات پائی۔
درگاہ شریف حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ پر عرس جاری تھا۔ نعش مبارک ایمبولینس پر کوئٹہ سے لائی گئی، عاشورہ کے روز جنازہ ہوا اور دربار کے نزدیک اپنی بستی میں تعمیر شدہ روضہ میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قبر کو پرنور بنائے۔ مجھ فقیر پر بہت شفقت فرماتے تھے اور حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں میرے کام پر خوش ہوتے اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بھی اجرِ خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تصوف میں اصطلاحات کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ اہلِ تصوف وسلوک کے ہاں ان کے معنی متعین ہیں۔ عام قارئین کے لیے اس کتاب میں استعمال ہونے والے ایسے الفاظ واصطلاحات کی فہرست میں مع شرح بھی مہیا کر دی گئی ہے۔

سید احمد سعید ہمدانی
نوشہرہ (وادیٔ سون سکیسر)
۶ر ستمبر ۱۹۸۶ء



سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا عہد

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ پیدائش بعض تذکرہ نگاروں نے سال ۱۶۳۱ء لکھا ہے مگر کئی جگہوں پر سال ۱۶۲۷ء درج ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ شاہجہان کے جشنِ تاج پوشی کا سال تھا۔

شہزادہ خرم مغلوں اور ترکوں کے دستور کے مطابق اپنے حریفوں کو راستے سے ہٹا کر "ابوالمظفر شہاب الدین صاحب قِران ثانی شاہجہان غازی" کے لقب سے ۱۶۲۸ء کو تخت پر بیٹھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد میں پیدا ہوئے۔

شاہجہان نے تخت نشینی کے معاً بعد پہلے تو دکن اور راجپوتانے کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ اس کے بعد ۱۶۳۲ء میں ساحلی علاقوں پر پرتگیزی فتنے کا قلع قمع کیا۔ ۱۶۳۰ء۔ ۱۶۳۲ء میں دکن میں سخت قحط پڑا تو حتیٰ الامکان متاثرین کو مدد بہم پہنچائی۔ پھر ایک دو سال میں دکن کی ریاستوں کو باقاعدہ مطیع بنالیا۔

اب شاہجہان کے دِل میں یہ سمائی کہ وہ شمال مغربی علاقوں مثلاً قندھار اور آبائی علاقوں مثلاً ازبکستان میں بلخ، بخارا اور سمرقند کو قبضے میں لائے مگر قندھار ہی فتح ہو سکا نہ بلخ بخارا حاصل کر کے اس کے دِل کو تسکین ہوئی۔ الٹا مغل سلطنت کے وقار کو صدمہ پہنچا۔

شاہجہان نے ملک کے مختلف حصے اپنے بیٹوں کی علمداری میں دیئے مگر

بڑے بیٹے اور ولی عہد دارا شکوہ کو اپنے پاس پایہ تخت میں رکھا۔ دکن میں اپنے بیٹے اورنگ زیب کو حاکم مقرر کیا جو ۱۶۳۶ء سے ۱۶۴۴ء تک اس علاقے میں مزید فتوحات اور انتظار میں مصروف رہا مگر اس عرصہ میں اس کا بڑا بھائی دارا شکوہ اس کے خلاف باپ کے کان بھرتا رہا اس لیے شاہی مداخلت جاری رہی حتیٰ کہ اورنگ زیب نے ۸ سال بعد تنگ آکر دستبرداری اختیار کر لی لیکن پھر کچھ ماہ بعد بہن شہزادی جہاں آراء بیگم کی کوششوں سے باپ بیٹا میں تعلقات کچھ خوشگوار ہوئے تو ۱۶۴۵ء میں اورنگ زیب کو گجرات کا حاکم بنا دیا گیا جہاں سے ۱۶۴۷ء میں اسے بلخ بخارا کی مہمات پر روانہ کر دیا گیا۔ وہاں اگرچہ اس نے اپنے طور پر بہادری اور جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا مگر یہ مہمات نتیجہ کے لحاظ سے شاہجہان کے ناکام عسکری منصوبوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

۱۶۵۳ء میں دوسری بار اورنگ زیب کو دکن کا حاکم بنا دیا گیا۔

اس وقت دکن میں آئے دن نئے عمال آنے کی وجہ سے حالات خاصے بگڑ چکے تھے۔ اقتصادی حالت خراب تھی جسے درست کرنے کے بعد اورنگ زیب نے کسانوں کی حوصلہ افزائی کی اور ٹوڈرمل کا پیمائش اور مالیئے کا سسٹم رائج کیا جس سے دوبارہ کچھ خوشحالی کی صورت پیدا ہوئی۔

اس کے بعد اورنگ زیب نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں کو دوبارہ مطیع کرنے کی طرف توجہ دی مگر اس تمام عرصہ میں پہلے کی طرح دارا شکوہ کی طرف سے شاہجہان کے ذریعے مداخلت جاری رہی جس سے اورنگ زیب کو خاصی کوفت کا سامنا کرنا پڑا۔

اورنگ زیب دکن میں مصروف تھا کہ شاہجہان کی بیماری کی خبر پھیلی اور ساتھ ہی دکن جیسے دور دراز مقامات پر یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ شاہجہان کی وفات

واقع ہو چکی ہے اور دارا شکوہ اقتدار پر اپنے قبضے کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہجہان کے باقی تینوں بیٹے اورنگ زیب، شجاع اور مراد جو پایۂ تخت سے دور صوبوں میں بیٹھے تھے، چوکنے ہو گئے۔ اورنگ زیب دکن میں، شجاع بنگال اور مراد گجرات میں تھا۔ دربار میں ولی عہد دارا شکوہ براجمان تھا اور باپ کی سرپرستی کے ساتھ اس کی ایک بہن جہاں آراء بیگم کی معاونت اسے حاصل تھی دوسری بہن روشن آراء بیگم کی ہمدردیاں اورنگ زیب کے ساتھ تھیں۔

شاہجہان سے اس کے مرض نے شاید قوت فیصلہ چھین لی تھی اس لیے اس کے جیتے جی چاروں سگے بھائیوں میں جنگ چھڑ گئی۔

یوں تو مغلوں میں تخت نشینی کے لیے ہمیشہ جنگ ہوا کرتی تھی کیونکہ ان کے ہاں بادشاہ کی جانشینی کے لیے ولی عہد کا بادشاہ ہونا کوئی حتمی طور پر طے شدہ امر خیال نہیں کیا جاتا تھا چنانچہ یہ جنگ تخت نشینی بھی کچھ زیادہ اہم نہ ہوتی اگر اس مقابلے کے پیچھے نظریات و عقائد کی کشمکش بطور محرک کام کرتی نظر نہ آتی۔

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اس کی مذہبی پالیسی کی بناء پر دینی معاملہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر راسخ العقیدہ علماء نے اس گمراہی کی مخالفت کی تھی جو دربار اور شاہی محلات میں ہندوؤں کے بعض عقائد اور رسوم و رواج کو اپنانے سے پھیل رہی تھی۔ اس دوران میں خود مسلمانوں کے اندر بھی شیعہ سنی مناقشت جڑیں پکڑتی رہی اور تصوف کے پردے میں ظواہر شریعت کے خلاف بے راہروی کو بھی پھیلنے کا موقع ملتا رہا۔

اکبر کے بعد یہ کھچڑی جہانگیر اور شاہجہان دونوں کے زمانے میں پکتی رہی اور جب مذکورہ چاروں شہزادوں کے درمیان جنگ تخت نشینی شروع ہوئی تو گویا اب

اس کشمکش کے عروج کا وقت آ گیا تھا۔ لہٰذا ہر با اثر دینی گروہ یا فرقہ نے اپنے عقائد اور مفادات کے پیش نظر شہزادوں کی پشت پناہی کی۔

داراشکوہ نے ایک صوفی کی حیثیت سے اپنے نظریاتی مسلک کی ابتداء کی تھی اور صوفیاء کرام کے حالات و مناقب سفینۃ الاولیاء (۱۶۴۰ء) اور سکینۃ الاولیاء (۱۶۴۲ء) میں بیان کیے۔ فقہ میں حنفی مذہب اور طریقت میں قادری طریقہ سے وابستگی کی بناء پر حنفی اور قادری کے القاب اپنے نام کے ساتھ لگا لیے۔ مُلا شاہ بدخشی کا مرید بنا اور ان کی زیرنگرانی مراقبات وغیرہ کا بھی التزام کرتا رہا۔ اس نے اپنے ایک رسالہ حق نما (۱۶۴۱ء) میں اپنی کچھ واردات بھی بیان کی ہے مگر بعدازاں اس کا شوق اسے ہندو ویدانت کے مطالعہ کی طرف لے گیا۔ اس نے ۱۶۵۵ء میں مجمع البحرین لکھی اور تصوف اور ہندو سریت کو برابری کا درجہ دیا۔ اس دور میں اس نے اپنے نام کے ساتھ حنفی اور قادری لکھنا بھی چھوڑ دیا۔ ۱۶۵۷ء میں اس نے سرِ اکبری جس میں کچھ اُپنشدوں کا ترجمہ کیا گیا تھا اور قرآن کے بارے میں ایسے الفاظ لکھے جنہیں لوگوں نے ناپسند کیا۔ یہ تو اس کی علمی دلچسپیوں کا حال تھا مگر اس پس منظر کے ساتھ کچھ باتیں اس کے ذاتی کردار میں بھی انوکھی تھیں مثلاً اپنے صوفی ہونے کا اعلان کرنے کے باوجود وہ ظواہر شریعت کی پابندی کو اپنے لیے ضروری خیال نہ کرتا تھا۔ شراب پیتا تھا۔ اپنے عقائد کے جواز میں بابالال جیسے ہندو یوگیوں کے اقوال دہراتا تھا۔ ویدوں کو الہامی مانتا اور کہتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ مجلس زیادہ تھی، ایک ایسی انگوٹھی پہنتا تھا جس کے نگینہ پر ''پربھو'' کندہ تھا۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے اہل شیعہ میں رسوخ حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں راسخ العقیدہ مسلمان اس کی تخت نشینی کو اسلام کے لیے خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ مسلمانوں میں بارسوخ طبقے مثلاً اکابر سادات، سنی علماء اور صوفیاء سب کی

حمایت وہ کھو بیٹھا تھا۔ چنانچہ ان امراء نے بھی جو ان طبقوں کے زیر اثر تھے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

نظریاتی لحاظ سے دوسری اہم حیثیت اورنگ زیب کی تھی جس کی ایک راسخ العقیدہ مسلمان شہزادے کے طور پر دور دور تک شہرت تھی۔ وہ شریعت کے اوامر و نواہی کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔ طریقت میں وہ برہان پور (بابِ دکن) کے شیخ برہان کا جنہیں عام طور پر ملا حضرت جی کہا جاتا تھا، مرید تھا۔ اور برہان پور کے تمام صوفیا و اتقیاء شیخ بایزید برہان پوری، شیخ نظام فاضل برہانپوری، شیخ قطب برہان پوری اور سید شیر محمد قادری بھی اورنگ زیب کی تائید کرتے تھے۔ بعض مقامات پر کچھ بزرگوں نے کھلم کھلا اس موقع پر اورنگ زیب کے حق میں دعائیں کیں۔ ان میں گوالیار کے ایک صوفی بزرگ سید نعمت اللہ نارنولی رحمۃ اللہ علیہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی شہزادے سے ملے تک نہیں لیکن اس کی خوبیاں سن کر اس کے مؤید ہو گئے تھے حالانکہ اورنگ زیب کا بھائی شجاع ان کے مریدوں میں سے تھا چنانچہ جب اورنگ زیب کا مقابلہ کرنے کے لیے شجاع روانہ ہوا تو انہوں نے اس کی حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بنگال کے علاقے سے ہجرت کی۔ اسی طرح اورنگ زیب نقشبندی طریقہ کے شیخ حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم فرزند اور خلیفہ تھے معتقد و مرید تھا۔ داراشکوہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تھے۔ اس بناء پر نقشبندی صوفیاء و اولیاء کی دعائیں بھی اورنگ زیب کے حق میں تھیں۔

امر واقع یہی ہے کہ صوفیاء کرام، علماء و فقہاء اور تمام سنی سادات اورنگ زیب کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان سب کو یقین تھا کہ اورنگ زیب کے سریر آرائے سلطنت

ہونے کے بعد مذہبی بے راہروی کا سیلاب تھم جائے گا اور اسلام کو استحکام نصیب ہوگا۔

دوسرے دونوں بھائی یعنی شجاع اور مراد نے بھی اپنے طور پر بزرگوں کی حمایت حاصل کرنا چاہی چنانچہ جیسا کہ ذکر ہوا شجاع حضرت نعمت اللہ نارنولی کا مرید تھا اور مراد نے بھی ایک بزرگ سید جعفر شاہ گجراتی کی بیعت کر رکھی تھی لیکن ان کا یہ تعلق جنگ تخت نشینی میں ان کے کچھ کام نہ آسکا۔ عوام وخواص کی نگاہوں میں درحقیقت مقابلہ اورنگ زیب اور داراشکوہ کے درمیان تھا۔

بالآخر اورنگ زیب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ شاہجہان کو عمر کے باقی ماندہ برس قید میں گزارنے پڑے، داراشکوہ مارا گیا اور اورنگ زیب "ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی" کے لقب سے ۱۶۶۹ء میں تخت پر بیٹھا۔ دو ماہ تک اس کی تخت نشینی کی خوشیاں منائی جاتی رہیں۔

شہزادوں کی اس جنگ تخت نشینی کے موقع پر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً تیس (۳۰) سال ہوگی۔ اندریں بارہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کی ہمدردیاں کس شہزادے کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی جو تصنیفات موجود ہیں ان میں انہوں نے اورنگ زیب کی کھل کر تعریف کی ہے اور اسے "حضرت سلطان بادشاہ خلائق پناہ محی الدین اورنگ زیب، بادشاہ غازی، عادل بادل زاہد اسرار ربانی سے واقف اور علم سبحانی سے آگاہ" (نور الہدیٰ ابتدائی سطور) کہا ہے۔ اپنے رسالہ "قرب دیدار" کے شروع صفحات میں یہ شعر لکھا ہے۔

عمل شاہی عبیداللہ الہ است
کہ اورنگ زیب غازی بادشاہ است

"پنجاب کے صوفی شعراء" (انگریزی) کی مصنف ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن اور

ان سے متاثر لوگوں نے اس بارے میں بے سود قلابے ملائے ہیں۔ پہلے تو انہوں نے یہی بات سو فیصد درست مان لی کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے حضرت سید عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، پھر چونکہ وہ قادری تھے اس لیے ان کی ہمدردیاں خواہ مخواہ داراشکوہ کے ساتھ ہونی چاہئیں کیونکہ وہ بھی قادریوں سے نسبت رکھتا تھا۔ پہلی بات تو صرف اس حد تک صحیح مانی جا سکتی ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اِن سید عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی ملے ہوں گے لیکن ان سے بیعت کا بیان روایت و درایت کی رو سے خلافِ واقعہ نظر آتا ہے (اس کی صراحت زیرِ نظر کتاب میں مناسب موقع پر کر دی گئی ہے) جہاں تک داراشکوہ کا قادریوں سے تعلق کا مسئلہ ہے تو وہ بھی جنگ تخت نشینی چھڑنے سے پہلے اگر کلی طور پر نہیں ٹوٹ چکا تھا تو خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ اسی لیے اس دور کے تمام بزرگانِ طریقت داراشکوہ کو ہندوستان کا حکمران نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

ایک اور بات بھی ڈاکٹر لاجونتی اور ان کے ساتھیوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ان کا سوال یہ ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ آخر اورنگ زیب کے دربار سے کیوں دور رہے؟ لیکن اگر اس کے جواب میں ایک سوال ان سے پوچھ لیا جائے کہ آخرت حضرت سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دربار سے متعلق ہونا کیوں ضروری تھا؟ تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر مراکز حکومت سے دور کوہستانی اور صحرائی عوام میں تبلیغ کرتے پھرتے اور فقر و درویشی میں طالبانِ حق کی تربیت میں مصروف رہے۔ تاریخ تصوف میں بعض مشائخ ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے امراء و شرفاء سے ربط و ضبط رکھا تاکہ اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کے کان میں بھی حق کی بات پڑتی رہے۔ اور موقع پڑنے پر لوگوں

کی شکایات ان تک پہنچا کر ان کی داد رسی کرا سکیں لیکن کچھ مشائخ کا عمل اس کے برعکس رہا ہے۔ انہوں نے محلوں اور درباروں سے کوئی سروکار نہیں رکھا اور خاموشی کے ساتھ عوام کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے اور اس کام کو پیغمبروں کی سنت سمجھ کر باقی سب مشاغل اور تعلقات پر اسے فوقیت دی۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ثانی الذکر گروہ کے رویہ کے مطابق عمل پیرا رہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر سرائیکی علاقوں میں مصروف کار رہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اورنگ زیب کے عہد میں اس علاقے کو چھوڑ کر باقی تمام علاقوں میں کچھ نہ کچھ بدامنی پیدا کرنے والے واقعات رونما ہوتے رہے مثلاً شمالی ہندوستان میں جاٹوں، سکھوں اور سَت نامیوں نے بغاوتیں کیں جنہیں فرو کیا جاتا رہا۔ شمال مغربی علاقوں میں افغانوں کے خلاف فوج کشی کی گئی اور دکن میں مرہٹوں نے غدر مچائے رکھا مگر سرائیکی علاقے پر امن رہے۔

۱۶۹۰ء میں جب حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ تو اس وقت بھی اورنگ زیب حکمران تھا (اس کی وفات ۱۷۰۷ء میں ہوئی)۔

ایک عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ ۱۶۹۰ء تک اورنگ زیب ہر مہم میں کامیاب رہا لیکن ۱۶۹۰ء کے بعد یکلخت حالات کا رخ خلاف ہو گیا یعنی اورنگ زیب دکن میں جہاں وہ مصروفِ پیکار تھا، مرہٹوں کے خلاف مہمات میں جگہ جگہ ناکام ہونے لگا حتیٰ کہ انہی مہمات کے دوران احمد نگر (دکن) کے مقام پر چل بسا۔ ''ترکش مارا خدنگِ آخریں۔'' (اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

کیا ۱۶۹۰ء تک اورنگ زیب کی کامیابی سلطان الفقر و سلطان العارفین

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ''دعوت''[1] کی مرہونِ منت تو نہیں تھی جسے وہ کفار کے خلاف بادشاہ اسلام کی کامیابی کے لیے پڑھنا ضروری سمجھتے تھے؟ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے عملی سلوک پر نظر رکھنے والے کسی بھی معتقد کے دِل میں یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ جس کا جواب اثبات میں خود اس کے لیے تو تسلی بخش ہوگا مگر ظاہری شواہد نہ ہونے پر شاید کسی دوسرے کی یقین دہانی کے لیے کافی نہ ہو۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں ان کے عہد کے واقعات کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ ان کے بارے میں مروی حالات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک بار وہ اورنگ زیب سے ملے ضرور تھے اور جب بادشاہ نے حصولِ فیض کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں جہاں بھی رہوں تمہیں فیض پہنچتا رہے گا لیکن میرے آنے یا رہنے پر اصرار مت کرو۔

دراصل تمام مشائخ کبار کی طرح حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ عملی طور پر سلوک سکھانے والے مرشدِ کامل تھے اور اپنی تصنیفات اور دیگر مشاغل میں بھی انہوں نے بس اپنے کام سے کام رکھا یعنی تحریر و تقریر میں لوگوں کو فقیری اور درویشی کے ظاہری و باطنی رموز سکھاتے رہے انہیں جب یہ یقین ہوگیا کہ ملک پر ایک قابل،

---

[1] ''دعوت'' حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے عملی سلوک کا اہم جزو ہے اس کو دعا کا ایک طریقہ کہا جاسکتا ہے۔ دعوت کے لیے دو چیزیں لازمی ہیں یعنی کسی ولی کی قبر ہو اور اس پر مطلب براری کے لیے قرآن پڑھا جائے اس کے کچھ آداب ہیں اور جن امور کے لیے یہ دعوت پڑھی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ عامل کامل کو بادشاہِ اسلام کی اعانت کے لیے دعوت پڑھنی چاہیے جو کافروں سے جنگ کر رہا ہو۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کی تصنیف ''احوال و مقامات حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ'' صفحہ ۱۰۷ تا صفحہ ۱۱۳۔

منتظم اور راسخ العقیدہ مسلمان بادشاہِ غازی حکمران ہے تو پھر انہوں نے امورِ مملکت اور ان سے متعلقہ شعبہ ہائے زندگی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور سفر و حضر میں عوام کی تعلیم و تربیت میں ساری زندگی بسر کر دی۔ اب یہ بات تو الٰہی مصلحت و حکمت کا نتیجہ ہے کہ ثقافتی مراکز میں نہ بیٹھنے کے باوجود ان کا اسم گرامی چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے اور الٰہی وعدہ کے تحت ان کی کتب کے مطالعہ اور ان کی قبر مبارک کے انوار سے ایک خلقت مستفیض ہو رہی ہے۔



حیاتِ حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

سلطان الفقراء و سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہر چھوٹی بڑی تصنیف کے شروع میں اپنے بارے میں عام طور پر ایک تعارفی جملہ ضرور لکھتے ہیں یہ ان کی تصانیف کی ایک ایسی علامت اور سند ہے کہ اگر کسی کتاب یا رسالے کی ابتدائی سطور میں اس قسم کا کوئی جملہ نہ لکھا ہو تو شک پڑتا ہے کہ شاید یہ ان کی اصل تصنیف نہ ہو بلکہ ان کی کتاب کی تلخیص ہو یا ان کی کتب سے اخذ کردہ کلمات کا کوئی مجموعہ بطور یادداشت بعد ازاں مرتب کیا گیا ہو...... اس قسم کے مجمل تعارفی جملوں میں حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سوانح کے بنیادی حقائق کے بارے میں ضروری اشارات قلمبند فرمائے ہیں۔ باقی جو کچھ ہے، وہ اس اجمال کی تشریح و تفصیل ہے۔

''نور الہدیٰ'' کے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے:

''مصنف تصنیف قادری سروری باھو، فنا فی ہو، ولد بازید رحمۃ اللہ علیہ عرف اعوان ساکن قلعہ شور۔''

بعض کتب کے دیباچے میں اپنے روحانی مقام کے بارے میں کچھ زیادہ کھل کر لکھا ہے جیسے ''عقل بیدار'' اور ''روحی'' میں، اسی طرح ''کلید التوحید'' میں ذکر کرتے ہیں کہ آپ کا زمانہ ''صاحب شریعت اور راسخ دین سلطان محی الدین اورنگ زیب'' کا دور ہے۔ رسالہ ''روحی'' اور ایک دو اور رسائل میں جائے سکونت کے بارے میں ''ساکن قرب و جوار قلعہ شور'' لکھا ہے اور ساتھ ہی دعائیہ کلمہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ

اسے فتنوں اور سختیوں سے محفوظ رکھے۔

آئیے اب ان خود نوشت اشارات کی روشنی میں مزید کچھ شواہد کی مدد سے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات پر نظر ڈالیں اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان کے خاندانی پس منظر اور آباء واجداد کا ذکر ضروری ہے جن کی طرف محققین نے اس سے پہلے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

خاندانی پس منظر ''اعوان''

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اعوانوں کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اعوانوں کا شجرہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی جب سومنات پر حملہ کرنے کے لیے ہندوستان روانہ ہوا تو اس کے ساتھ علویوں کے ایک دستے نے ہمراہی کی اجازت چاہی جس کی قیادت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ یا میر قطب حیدر رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے بخوشی اجازت دی اور اس دستے کو ''اعوان'' کا خطاب دیا۔ بعد ازاں اس قبیلے کے لوگ اسی لقب سے موسوم ہوئے۔

اعوانوں نے سومنات کی لڑائی میں بہادری کے جوہر دکھائے اور بادشاہ ان سے بہت خوش ہوا۔ جب لشکر واپس ہونے لگا تو میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ یا میر قطب حیدر رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان سے درخواست کی کہ انہیں ان کے گروہ کے ساتھ ملک کے کونوں کھدروں میں حکمران راجپوت سرداروں اور جاگیرداروں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا جائے۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کر لی۔ چنانچہ میر قطب حیدر رحمۃ اللہ علیہ اعوانوں کے لشکر کو لے کر موجودہ علاقہ پوٹھوہار کے گردونواح اور کوہستان نمک کے

علاقوں میں برسر اقتدار جنجوعہ اور چوہان راجپوتوں پر حملہ آور ہوئے۔ان کو پسپا کر کے انہوں نے پہاڑوں سے نیچے دھکیل دیا اور اعوان قبائل ان پہاڑوں کی خوبصورت وادیوں پر قابض ہو کر ان میں آباد ہو گئے۔اب یہ اعوان ''قطب شاہی اعوان'' کہلائے۔

میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بعض اعوان نسب دانوں کی رائے میں میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت امام محمد بن حنفیہ سے جا ملتا ہے۔ان کے آباء و اجداد ساداتِ فاطمی رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت میں حکمرانوں سے لڑتے رہے اور سادات کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے افغانستان چلے آئے تھے اور ہرات میں آباد ہوئے۔ بعد ازاں سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

جب میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں وارد ہوئے تو ان کی ایک بیوی ان کی ہم کفو تھیں اور ان سے اولاد بھی تھیں۔پھر ان علاقوں کی فتوحات کے بعد یہاں آ کر انہوں نے کچھ اور شادیاں کیں۔ان میں سے بعض ان شکست خوردہ راجاؤں کی بیٹیاں تھیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور فاتح سردار کے ساتھ رشتہ مناکحت کو اپنے لیے باعث فخر خیال کیا۔ ان سب سے جو اولاد ہوئی وہ راولپنڈی، اٹک، جہلم، ہزارہ، میانوالی، خوشاب اور سرگودھا کے اضلاع میں آباد ہے۔دراصل میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آنے والے ان قبائل اور نو مسلم باشندوں کے درمیان ددھیال، ننھیال کے لحاظ سے مناکحت اور اولاد کا باہمی سلسلہ شروع ہوا تو بالآخر چونکہ ان کی معروف نسبی پہچان کے لیے میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک مقتدر اور مشہور شخصیت تھے لہٰذا انہی سے

منسوب ہوئے، ورنہ بلاواسطہ ان سے نسبی تعلق رکھنے والے تو شاید چند خاندان ہی ہوں گے جن کے بارے میں آج کے دور میں تحقیق بھی دشوار ہوگی بہر حال اب یہ لوگ خواہ کہیں بھی ہیں اپنے تئیں قطب شاہی اعوان کہتے ہیں۔

مذکورہ شجرۂ نسب میں کچھ الجھاؤ بھی نظر آتا ہے جو شاید کسی بغض کے تحت یا مخفی مفاد کے پیش نظر غیر اعوان لوگوں کی تحریروں سے پیدا ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اعوان ان میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد نہیں ہیں بلکہ ایک اور قطب شاہ تھے جن کا اصل نام عَون بن یعلیٰ تھا اور جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ داروں میں سے تھے اور بغرض تبلیغ یہاں آئے تھے، ان قطب شاہ کا شجرۂ نسب حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا کہ سبھی اعوان حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

مگر اس قسم کی باتیں شاید اس لیے لکھی گئی ہیں کہ اعوانوں کے طبائع سے ان کے عسکری مزاج کو مٹایا جائے اور فاتح کی اولاد ہونے پر جو ان کے دلوں میں قدرتی طور پر ایک جذبۂ اِفتخار اور احساسِ برتری موجود ہے، اس کو دور کیا جائے لیکن حقائق کا اگر معروضی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوہستان نمک کے اطراف میں جو راجپوت سردار قابض تھے وہ کسی پیر یا شیخ طریقت کی ترغیب و تحریص پر اپنے علاقے چھوڑ کر ہرگز نہ جاسکتے تھے۔ انہیں تو بزورِ شمشیر ہی بے دخل کیا جاسکتا تھا۔ اس زمانے میں جب پنجاب کے میدان صحرا اور جنگل تھے۔ یہاں کی بارانی زمین ان کے مقابلے میں زر اگلتی تھی چنانچہ ان خوبصورت علاقوں کو کوئی ازخود چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں صاحب شمشیر و سناں میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمراہ جنگجو قبائل نے تلوار کی طاقت سے ہی میدانوں میں دھکیل دیا تھا۔ اب ایک اشکال اور باقی ہے کہ بعض

اعوانوں کے پاس جو شجرے ہیں وہ عباس بن علی رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی اور صاجزادے کی اولاد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔میرے خیال میں اس کا جواب جو ایک اعوان مؤرخ نے پیش کیا صحیح ہے۔میر خواص خاں ہزاروی نے اپنی تحقیق کے بعد صائب رائے دی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''میں تو یہ کہتا ہوں اور بدلائل کہتا ہوں کہ اعوان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان دوسری بیویوں کی اولاد سے مختص ہو گئے ہیں جو سوائے حضرت فاطمۃ الزہرہ کے خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی اولاد سے ہوں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس اولاد سے شجرۂ نسب ملا سکتے ہوں یا منسوب کرتے ہوں خواہ وہ ہندو پاک میں یا کسی اور عرب وعجم کے ملکوں میں ہوں۔شجرہ انساب ان کے پاس ہو یا نہ ہو، وہ عربی النسل ہیں ہندوستان میں تو وہ اعوان اور بعض مقامات پر علوی کہلاتے ہیں، دوسرے ملکوں میں علوی کہتے ہیں یا کچھ اور معلوم نہیں۔''

شجرۂ نسب

جیسا کہ ذکر ہوا، میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ نسب میں اختلاف ہے اور یہ بھی نظر آتا ہے کہ اعوان اپنے نسب ناموں کی کڑیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاجزادوں سے جاملاتے ہیں۔اس لیے معقول رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سب نسب نامے درست ہیں۔اعوان عربی النسل اور آل علی رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ جو بعض انگریزوں اور ہندوؤں نے اپنے گزیٹرز اور یادداشتوں میں انہیں ''آوان'' لکھا

ہے اور سنسکرت کے لفظ ''آوان'' کے معنی ''محافظ'' لکھتے ہوئے انہیں راجپوت ظاہر کیا ہے، وہ محض لغو اور بے بنیاد بات ہے۔

''مناقبِ سلطانی'' کے مصنف جناب سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ نے کالاباغ کے اعوان رئیسوں کے کتب خانہ میں کسی کتاب انساب سے حاصل کردہ حوالہ کی رو سے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا شجرۂ نسب نقل کیا ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ کالا باغ خاندان کے ایک رکن ملک شیر محمد نے اپنی کتاب ''تاریخ الاعوان'' میں اعوانوں کا جو شجرۂ نسب دیا ہے، وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

''مناقبِ سلطانی'' کے مصنف نے اعوانوں کے جدامجد میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب یوں نقل کیا ہے:

''حضرت شیخ قطب شاہ بن حضرت امان شاہ بن حضرت سلطان حسین شاہ بن حضرت فیروز شاہ بن حضرت محمود شاہ بن حضرت شیخ فرطک شاہ بن حضرت شیخ نواب شاہ بن حضرت شیخ دراب شاہ بن حضرت ادہم شاہ بن حضرت شیخ عتیق شاہ بن حضرت شیخ سکندر شاہ بن حضرت شیخ احمد شاہ بن حضرت حجر شاہ بن حضرت امیر زبیر بن اسد اللہ الغالب امام امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ......''

ملک شیر محمد تاریخ الاعوان میں لکھتے ہیں:

''حضرت میر قطب شاہ بن شاہ عطاء اللہ غازی بن شاہ طاہر بن شاہ طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ عمر غازی بن شاہ ملک آصف بن شاہ بطل غازی بن شاہ عبدالمنان غازی بن محمد حنیفہ بن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔''

"مناقب سلطانی" میں دیئے گئے شجرۂ نسب پر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کے مترجم نے بھی دیباچے میں اعتراض کیا ہے۔ محک الفقراء (خورد) کے دیباچے میں یہ صاحب لکھتے ہیں:

"سجادہ نشین نے جو شجرۂ نسبی دیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اٹھائیس واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند امیر زبیر کی اولاد تھے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس نام کا کوئی بیٹا کسی نسب کی مشہور کتاب (معارف ابن قتیبہ، تاریخ طبری وغیرہ) میں نہیں دیا اور نہ شاہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کسی پوتے کا نام حجر شاہ منقول ہے۔"

بعض نے اس مشکل کو یوں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے علم کے مطابق حضرت محمد حنفیہ کی کنیت ابوزبیر تھی اس لیے صرف زبیر بھی لکھ دیا گیا تو اس سے مراد وہی ہیں مگر پھر بھی یہ مشکل تو باقی رہتی ہے کہ مذکورہ دو شجروں میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔

اگر کوئی قطعی دلیل سامنے نہ آئے تو ہمیں کتاب "تاریخ الاعوان" کا شجرۂ نسب ہی صحیح تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ جس خاندان کے کتب خانے کے حوالے سے یہ شجرۂ نسب نقل ہوا ہے سلطان حامد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے حوالے سے روایت کر رہے ہیں اب اس موقع پر اس شک کی گنجائش بہر حال موجود ہے کہ سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو کسی نے غلط نسب نامہ لکھ کر دیا ہو یا اعوانوں کے بہت سے نسب ناموں میں سے بلاتحقیق کوئی نسب نامہ نقل کر کے ان تک پہنچا دیا گیا ہو۔ واللہ اعلیٰ بالصواب۔

ظاہر ہے کہ اعوانوں کے نسب نامے میں کچھ الجھاؤ موجود ہیں اور اعوان

مؤرخین کی توجہ اور محنت سے بعد از تحقیق انہیں سلجھایا جا سکتا ہے فی الحال جو حقائق مسلمہ اور مصدقہ ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غیر فاطمی اولاد ہونے کی وجہ سے آلِ علی رضی اللہ عنہ کی ہی ایک شاخ ہیں۔

۲۔ جہاں کہیں وہ آباد ہیں، اپنا شجرۂ نسب حضرت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاتے ہیں۔

۳۔ حضرت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوٹھوہار اور کوہستان نمک کے راجاؤں کو زیر کر کے راجپوتوں سے رشتہ مناکحت کیا اور ان کی اولاد ان علاقوں کی حکمران بن کر رہی۔

۴۔ جب باہمی ازدواجی رشتوں کا سلسلہ پھیلا تو سب قبائل اپنے تئیں میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہونے لگے اور قطب شاہی اعوان کہلائے۔

میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سفرِ آخرت

حضرت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی فتوحات کے دوران میں موجود وادیٔ سون سکیسر (ضلع خوشاب) کی بستی انگہ میں قیام پذیر رہے۔ معروف روایت یہ ہے کہ وادیٔ سون سکیسر کے اعوان ان کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ گولڑہ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے راجپوتوں کو زیر کرنے کے بعد ان علاقوں کا انتظام اپنے بیٹوں کے سپرد کیا اور غزنی کی طرف مراجعت فرمائی۔ ان کا سن وفات ماہِ رمضان ۴۳۱ھ بیان کیا جاتا ہے نیز کہا جاتا ہے کہ میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں مدفون ہوئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔

میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ تک

میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ تک صاحب مناقب سلطانی نے نسب کی تعریف یوں لکھی ہے:

حضرت شیخ قطب شاہ، شیخ امیر شاہ، شیخ انور شاہ، شیخ محمد ہرگن، شیخ محمد جیجون، شیخ محمد بہادری، شیخ محمد سلا، شیخ محمد انون، شیخ محمد سگھرا، شیخ محمد پیدا، شیخ موغلا، شیخ محمد منان، شیخ محمد تمیم، شیخ اللہ دتہ، شیخ سلطان فتح محمد، شیخ سلطان بازید محمد، حضرت شیخ سلطان باہو قدس اللہ سرہٗ۔

انگہ (وادیٔ سون سکیسر)

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد انگہ کی بستی میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ ان کے والد مستقل طور پر نقل مکانی کرتے ہوئے شورکوٹ میں جا آباد ہوئے۔

انگہ وادیٔ سون سکیسر کی بہت پرانی بستی ہے جس قدر لوگ شروع میں آئے وہ یہاں آ کر مستقلاً یا کچھ مدت کے لیے ضرور ٹھہرے۔ حضرت میر قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس مشہور روحانی شخصیت نے یہاں آ کر قیام کیا۔ وہ سادات ہمدان کے بزرگ حضرت سید احمد کبیر المعروف بہ حضرت شاہ بلاول ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا مزار اب دندہ شریف (ضلع میانوالی) میں ہے۔ چونکہ وہ انگہ میں بھی کچھ مدت تک قیام پذیر رہے لہٰذا انگہ کو انگہ شاہ بلاول بھی کہا جاتا ہے۔

انگہ کسی زمانہ میں تعلیم و تدریس کا مرکز رہا ہے اس صدی کے اوائل تک دور

دور سے طلباء علم کے حصول کی تلاش میں یہاں آتے تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑوی نے کچھ عرصہ تک یہاں کے ایک عالم دین کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ یہاں کے ہمدانی سادات اور اعوانوں میں سے قاضیوں اور قبیلے کی دوسری شاخوں میں کئی علماء اور اولیاء ہوئے ہیں جن کی کرامات آج تک مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں بھی انگہ ایسی شخصیات کے حوالہ سے معروف ہے جنہوں نے قومی و بین الاقوامی سطح پر شہرت پائی ہے، مولانا غلام مرشد صاحب جو سالہا سال تک شاہی مسجد لاہور میں خطیب رہے، انگہ کے رہنے والے تھے اور ان کا مزار بھی اب یہیں انگہ کے ایک قدیم قبرستان میں (جو حافظ رحمت اللہ کا قبرستان کہلاتا ہے) موجود ہے۔ مشہور شاعر، ادیب اور دانشور احمد ندیم قاسمی اور نامور صحافی اور ادیب ظہیر بابر دونوں انگہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے خاندان میں بھی مشیخت کی روایت رہی ہے جس کا دائرہ اثر پنجاب سے لے کر منی پور (بنگلہ دیش) تک رہا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد اسی جگہ کی زمینوں میں دوسرے ہم قبیلہ افراد کی طرح کاشت کاری کیا کرتے تھے یا عسکری مہمات پر باہر چلے جایا کرتے تھے جیسے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت سلطان محمد بازید رحمۃ اللہ علیہ اپنے زہد و پرہیز گاری کے باوصف تقریباً ساری عمر سپاہی پیشہ رہے۔ اب یہاں اعوان قبائل کے دو بڑے پیشے یہی ہیں۔

مزارات و دیگر آثار

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے آباء و اجداد کے مزارات اور متعلقہ مقامات کے آثار اب تک انگہ اور اس کے گرد و نواح میں موجود ہیں۔

انگہ کی موجودہ بستی سے مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی تنگ خوب صورت وادی تقریباً ڈیڑھ دو کلو میٹر تک لمبی چلی گئی ہے اس وادی میں چھوٹے چھوٹے کھیت ہیں۔ جہاں بارش ہو جائے تو خوب فصل ہوتی ہے اس کے سرے پر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں ایک بہت بڑی چونے کے پتھر (Lime Stone) کی ٹھوس چٹان موجود ہے جو پھیلاؤ اور حجم میں نو سو مکعب فٹ اور دس بارہ فٹ اونچی ہو گی۔ اس کے گرد ایک اونچا سا چبوترہ بھی بنا ہوا ہے اس کے بارے میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ یہاں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا بیٹھا کرتی تھیں اور ذکر کیا کرتی تھیں۔

اس چٹان کے سامنے جو کھیت ہیں ان کے بارے میں یہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ اب یہ ایک شاخ قبیلہ (اعوان) کی ملکیت ہیں جو پھتوال کہلاتی ہے۔ شجرہ میں پھتوالوں سے اوپر جائیں تو اور بھی کئی شاخیں ان سے الگ ہوتی رہی ہیں مگر موجودہ پھتوال خاندان میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب اسی خاندان سے اوپر جا کر ملتا ہے اور ان زمینوں کی ملکیت میں ان کے اجداد حصہ دار رہے اگر ایسا ہی ہے تو اس سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ سادگی کے اس دور میں اپنے گھر کے ساتھ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا یہاں پہاڑی کے دامن میں عام طور پر ذکر و فکر کے لیے اس چٹان کے پاس درختوں کے نیچے بیٹھتی ہوں گی خصوصاً جب کہ وضو وغیرہ کے لیے چشمہ بھی موجود تھا جو بعد میں کسی وجہ سے سوکھ گیا۔ چونکہ حضرت بی بی صاحبہ کے تقویٰ و طہارت اور عفت و عصمت کا شروع سے شہرہ تھا اور گو وہ یہاں سے بیاہ کر شورکوٹ چلی گئی تھیں مگر بعد میں یہ جگہ یادگار کے طور پر محفوظ کر لی گئی۔

اس وقت اس چٹان کے اوپر جنگلی زیتون اور پھلاہ کے بڑے بڑے درخت سایہ کیے ہوئے ہیں چند سال پہلے ایک بڑا انجیر کا درخت بھی تھا جو پرانا ہو کر رہ گیا۔ یہاں پھر گمان ہوتا ہے کہ حضرت بی بی راستی ان سایہ دار درختوں کے سائے میں چٹان کے پاس بیٹھتی ہوں گی تو ان کا گھر بھی قریب ہی ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی چٹان کے مقابل میں پہاڑی پر ان کے کنبے کی ڈھوک (ڈیرہ) رہی ہو ورنہ دوسرا امکان یہ ہے کہ اسی جگہ سے ایک فرلانگ آگے مغرب کی طرف ایک پہاڑی پر پرانی بستی کے کھنڈرات موجود ہیں یہ انگہ کی بستی تھی اور اغلب یہ ہے کہ مرکزی دِہ بھی یہی ہوگا۔ اس کی تصدیق، جزوی طور پر ہی، یوں بھی ہوتی ہے کہ اس پرانی بستی کے بالکل سامنے قریب ہی وادی میں اونچے سے ایک گول ٹیلے پر اس کے اطراف دامن میں قدیم قبرستان موجود ہے جو اس دِہ کا قبرستان رہا ہے۔ اب یہ موجودہ بستی سے تقریباً دو کلومیٹر دور پڑتا ہے۔

اس دِہ سے شمال کی سمت کچھ فاصلے پر ایک چشمہ بھی موجود ہے یہی چشمہ اس آبادی کے لیے پانی مہیا کرتا تھا۔

مزارات

قدیم آبادی کے آثار کے لحاظ سے جو پرانا قبرستان ہے، آج کل اسے حافظ رحمت اللہ کا قبرستان کہا جاتا ہے۔ حافظ رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ انگہ کی پہاڑیوں سے چند کوس دور پرے شمال کی جانب ایک گاؤں کے رہنے والے نیم مجذوب درویش تھے جنہوں نے غالباً پچھلی صدی کے کسی دور میں اس قبرستان کے جنوب میں ایک جگہ چلہ کاٹا اور پھر کچھ بکریاں پال کر یہیں رہنے لگے۔ مشہور ہے کہ حافظ رحمت اللہ سے پہلے

ایک سو چالیس اولیاء یہاں دفن تھے۔ جب حافظ رحمت اللہ ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عاجزی وانکساری کے ساتھ ان کے پاؤں کی جانب رہنے لگے تو ان کے واصل باللہ اولیاء اللہ کی دعا کے طفیل یہ قبرستان حافظ رحمت اللہ کے نام سے ہی منسوب ہوا۔

یہ خاصا بڑا قبرستان ہے جس کے اندر اکثر قبریں اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ بڑے قبرستان میں داخل ہوں تو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جسے چند سال پہلے کسی معتقد نے پختہ کر کے اس کے گرد ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا دیا ہے۔ لَوح پر نام بھی لکھ دیا ہے۔ کسی زمانہ میں اس کے اوپر کہُو (جنگلی زیتون) اور پھلاہ کے دو بڑے درخت تھے۔ اب کہُو کا درخت تو گر گیا ہے مگر پھلاہ باقی ہے۔ اس مزار پر گنٹھیے کے مریض آتے ہیں اور حاضری کے بعد شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک عوام میں جن کو صاحبِ مزار کے نام کا علم نہ ہوتا تھا ارواح کو ثواب بخشتے ہوئے یہ کہنے کا رواج رہا ہے کہ

"اُس بزرگ کی ارواح جس کی قبر پر کہُو اور پھلاہ" (اس بزرگ کی روح کو ثواب پہنچے جس کی قبر پر کہُو اور پھلاہ کے درخت ہیں)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان وددھیال، ننھیال دونوں طرف سے فقر و درویشی کا وارث رہا ہے اور ان کے آثار و مزارات کی برکت کا لوگوں میں شروع سے چرچا رہا ہے۔

گو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان یہاں کی زمینیں اور جائیدادیں چھوڑ کر شورکوٹ ہی میں مقیم ہو گیا مگر ان کے خاندان کے لوگ اپنے اسلاف کی جائے سکونت اور ان کے مزارات کی زیارت کے لیے ہمیشہ آتے رہے۔ خود مصنف "مناقبِ سلطانی" حضرت سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ کئی بار تشریف لائے (صفحہ

۵۴۳) اِس وقت حضرت امیر سلطان رحمۃ اللہ علیہ کا بنگلہ وادیٔ سون سکیسر کے گاؤں اوچھالی میں موجود ہے جہاں ان کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے صاحبزادگان رحمۃ اللہ علیہ گرمیوں میں آ کر قیام پذیر ہوتے تھے (اوچھالی کا گاؤں جھیل کے کنارے آباد ہے۔ پرفضا اور خوب صورت جگہ ہے)

پرانے معتقدین بتاتے ہیں کہ موجودہ دور کی (رسل و رسائل) کی سہولتوں سے پہلے اس صدی کے اوائل تک اس وادی سے شورکوٹ تک پیدل یا گھوڑے پر سفر تقریباً پانچ دنوں میں طے ہوتا تھا، خوشاب کے پتن سے دریائے جہلم میں اگر کشتی کے ذریعہ شورکوٹ تک سفر کیا جاتا تو ایک دو دن کی بچت ہو جاتی تھی۔ فاصلہ یہاں سے کوئی ایک سو کوس شمار کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جد اولاد نے بھی اسی طرح اتنے ہی دنوں میں یہ سفر طے کیے ہوں گے۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے، جن کا مزار اب انگہ میں ہے، کتنے بیٹے تھے مگر ان کے صاحبزادے حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے یہاں سے نقل مکانی کی ہے اس کی تفصیل صاحب مناقب سلطانی نے لکھی ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے والدین

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے دادا: حضرت سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ
(مزار واقعہ انگہ۔ وادی سون سکیسر)

والد: حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہا

والدہ: حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہ

اجداد رحمۃ اللہ علیہ کی جائے سکونت: اَنگہ (وادی سون سکیسر، ضلع خوشاب)

حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ حافظ قرآن اور پرہیزگار اور نیکوکار انسان تھے مگر کسی خانقاہ یا مدرسہ میں مقیم نہ ہوئے بلکہ سپاہی پیشہ مردوں کا طریقہ اختیار کر کے دہلی پہنچے اور شاہجہان کے لشکر میں ملازم ہو کر منصب دار ہوئے۔ اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ آپ نے جوانی میں کوئی شادی کی یا نہیں، البتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے آپ نے ادھیڑ عمر میں ''نیا نکاح'' کیا (مناقبِ سلطانی کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی آپ نے نکاح کیے تھے مگر اولاد نہ ہوئی)۔

بہرصورت جوانی تو سلطانی لشکر کے ساتھ مہمات میں بسر ہو چکی تھی اور اولاد نہیں تھی۔ اب ڈھلتی عمر میں ایک بار آپ واپس اپنے علاقے میں آئے تو اپنی ایک رشتہ دار ہم کفو خاتون بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا سے نکاح فرمایا۔

حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا اپنی پاکیزگی اور پارسائی میں اپنے خاندان میں معروف تھیں۔ اکثر ذکر میں مشغول رہتی تھیں نیز صاحب کشف تھیں یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم تھی وگرنہ آپ کے اپنے شوہر کے پاس شورکوٹ چلے جانے کے بعد اُس چٹان کو یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کا خیال کسی کو نہ آتا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ پر طاری ہونے والی ذکر کی کیفیات کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہ کو الہاماً یا کشفاً علم ہو چکا تھا کہ ان کے ایک فرزند ہوگا جو قربِ الٰہی میں بڑا مرتبہ پائے گا اور اس کی ابتدائی تربیت آپ کی آغوش میں ہی ہوگی۔

حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگے تو ان

کی پارسائی اور عبادت گزاری سے بہت متاثر ہوئے۔ اب وہ خود عمر کے اس مرحلے پر تھے جہاں آدمی اپنے اندر تجزیے میں مصروف ہوتا ہے کہ کیا کھویا اور کیا پایا۔ انہوں نے جب اپنے سابقہ اعمال کا اپنی بیوی کے ذکر و فکر اور ذوق و شوق سے موازنہ کیا تو وہ کہیں کمتر نظر آئے چنانچہ انہوں نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ آئندہ اسبابِ دنیاداری سے الگ رہ کر وہ بھی صرف یادِ خدا میں زندگی بسر کریں گے۔

پھر یہ ہوا کہ کسی کو بتائے بغیر آپ ایک دن گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھر سے نکل گئے، چلتے چلتے ملتان جا پہنچے۔ اس وقت تک شاہجہانی لشکر میں آپ کی غیر حاضری کی شکایت ہو چکی تھی۔ چنانچہ دو طرف سے تلاش شروع ہوئی۔ ایک تو سرکاری طور پر ملک کے ہر صوبیدار کے پاس آپ کا نام اور حلیہ بیان کر کے حکم جاری ہوا کہ ایسا شخص ملے تو اسے دہلی میں شاہی لشکر میں پہنچا دیا جائے اور دوسرے آپ کے علاقے سے کچھ رشتہ دار یا خُدام روانہ ہوئے کہ کہیں سے آپ کا اَتا پتا ملے تو واپس لائیں۔

ملتان میں بھی شاہی حکم نامہ پہنچ چکا تھا اس لیے آپ پہچانے گئے اور آپ کو ناظم ملتان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ناظم آپ کی باتوں سے متاثر ہوا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ آپ کو لشکر شاہجہانی نہیں بھیجا بلکہ اپنے ہاں رہنے اور عبادت میں مشغول رہنے کی اجازت دی اور دو روپے روزینہ بطور وظیفہ مقرر کیے۔

چند ہی ماہ گزرے تھے کہ ناظم ملتان اور راجہ بیکانیر کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت مناسب سمجھا کہ ناظم کی مدد کی جائے۔ آپ ناظم سے ملے اور فوج سے الگ ہو کر تنہا لڑنے اور مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی۔ ناظم چونکہ آپ کی شخصیت سے متاثر تھا، اس نے اپنے خدام سے کہا کہ جیسے یہ کہیں ویسا ہی کرو۔ آپ نے ناظم کے ہاں دشمن راجہ کی تصویر حاصل کی اور ایک راستہ

جاننے والے کو ساتھ لے لیا۔ سیدھے اس راجہ کی راجدھانی میں جا پہنچے۔

شہر سے باہر آپ نے اپنے ہمراہی کو رخصت کیا اور بلا جھجک راجہ کے دربار میں جا پہنچے۔ اکیلے آدمی سے کوئی کیا خائف ہوتا۔ راجہ اور اس کے درباری سمجھے کہ کوئی پیغامبر یا سفیر ہے جو بے دھڑک آرہا ہے۔ کسی نے آپ کو نہ روکا۔ آپ نے قریب پہنچ کر بجلی کی سی سرعت سے تلوار نیام سے نکال کر سوت لی اور وار کر کے راجہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ سب کچھ اس قدر ناگہانی اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ دیکھنے والے چند لمحے کے لیے ششدر رہ گئے مگر ان چند لمحوں میں اسی تیزی کے ساتھ آپ نے راجہ کا سر اٹھایا اور دوڑ کر باہر نکلے اور اپنی خاص گھوڑی پر سوار ہو کر ہوا ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ گو دروازے بند کر لیے گئے تھے مگر گھوڑی قلعہ کی ایک دیوار پر سے کود گئی اور اس قدر برق رفتاری کا مظاہرہ کیا کہ تعاقب کرنے والے گردِ راہ کی طرح پیچھے رہ گئے۔

ابھی ناظمِ ملتان کا لشکر غنیم کے ساتھ تیاریوں میں ہی مشغول تھا کہ آپ نے ناظمِ ملتان کی خدمت میں دشمن کا سر پیش کر دیا۔ سب ہکا بکا رہ گئے۔

مناقب سلطانی کے مصنف نے ملتان کے گرد و نواح میں لطف آباد کے قریب ''رانواں کلاں'' کے جس گاؤں کی جاگیر کا ذکر کیا ہے، عین ممکن ہے کہ ناظمِ ملتان نے ہی سرکار دہلی کی منظوری سے یہ گاؤں آپ کو بطور انعام دیا ہو۔

آپ کی بہادری کا جب اِدھر اُدھر چرچا پھیلا تو وادی سون سے فرستادہ خدام بھی ملتان پہنچ گئے۔ انہوں نے جب تحقیق کے بعد معلوم کر لیا کہ حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی کارنامہ ہے اور وہ ملتان میں ہیں تو انہوں نے آپ کے گھر والوں کو یہ اطلاع پہنچا دی جس پر آپ کی زوجہ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کے دو بھائی ملتان آئے اور آپ سے واپس آنے کی درخواست کی۔

حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک بار گھر جاؤ اور اپنی بہن سے پوچھ آؤ کہ آیا وہ بھی چاہتی ہیں کہ میں واپس چلا آؤں، اگر انہوں نے ایسا خیال کیا تو میں چلا آؤں گا۔

جب بھائیوں نے حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کو یہ سب کچھ بتایا تو اس وقت انہوں نے اپنا کشف ظاہر فرمایا اور بتایا کہ ان کے پیٹ میں جو فرزند ہے وہ بہت بڑا ولی اللہ ہوگا اور اس دنیا میں اس کا ظہور چناب دیس میں مقدر ہے اور ہمارے لیے بھی یہی طے ہے کہ ہمیں وہیں رہنا ہوگا۔ اس پر بھائیوں نے حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کو ملتان پہنچا دیا۔

ادھر شاہ جہانی لشکر میں رپورٹ پہنچ چکی تھی کہ سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ ناظم ملتان کے پاس حاضر ہیں چنانچہ ناظم کے نام حکم جاری ہوا کہ سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ کو شاہی لشکر میں بھیج دیا جائے۔ سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کے جواب میں ناظم ملتان کے توسط سے درخواست ارسال کی کہ اب وہ باقی ماندہ عمر یادِ خدا میں مشغول رہنا چاہتے ہیں، انہیں اس کی اجازت دی جائے۔ ان کی سابقہ خدمات کے پیش نظر یہ درخواست نہ صرف منظور ہوئی بلکہ شورکوٹ کی جاگیر بھی انہیں عطا ہوئی جہاں وہ اپنے وصال تک اہل وعیال کے ساتھ قیام پذیر رہے۔

جاگیر: شورکوٹ

صاحب ''مناقب سلطانی'' نے شورکوٹ کی ''وسیع جاگیر'' کا حدود اربعہ اور اس کا رقبہ بھی بیان کیا ہے۔ اس زمین میں پچاس ہزار بیگھ زمین شامل تھی۔ اس جاگیر کی ایک حد قلعہ کے دروازے سے متصل تھی اور اس سے متعلق چند کنوئیں مصنف کے زمانہ

تک سجادہ نشینوں کے قبضے میں تھے۔[1]

ہم اس دور کے حالات کے پیش نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس جاگیر کا بیشتر حصہ دریا کے کنارے ''جنگل بیلا'' کی صورت میں ہوگا۔ زرعی زمین میں کنوؤں کے ذریعے آب پاشی اور کاشت ہوتی ہوگی یا بارانی زمین میں بارش پر انحصار ہوگا۔ یہ سب زمین مزارعین کے زیر انتظام رہی ہوگی۔

انتظام کی کیا صورت ہوگی؟......ظاہر ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں ہی حضرت سلطان بازید رحمۃ اللہ علیہ کا تو انتقال ہوگیا تھا۔ نئی نئی ملی ہوئی جاگیر کو سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سنبھالا ہوگا اور ان کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کارندوں کے ذریعے کچھ بندوبست کرتی رہی ہوں گی لیکن مناقبِ سلطانی کے مطالعہ پر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اغلباً شوہر کی وفات کے بعد یہاں سے ملتان کے قریب واقع اس گاؤں میں چلی گئی تھیں جو حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ کو شاید ناظم ملتان کی طرف سے ملا تھا۔ سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی روایت کے مطابق حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے

[1] مولوی محمد دین گجراتی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں: (حضرت بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے) شورکوٹ، جو پرگنات ملتان سے جائے اسلام جمعہ و جماعت وعیدین کے قیام کا مقام تھا، منظور فرمایا اور چند چاہات آپ کی وجہ معاش کے واسطے بنظر اعتقاد والیانِ دہلی نے نذر کیے۔ جواب تک بوہڑ ڈول اور نیواں چاہ اعوان والا موجود ہے اور بیر کا درخت جس کا بیج مکہ معظمہ سے لا کر نصب کیا تھا اور اس کے بیر بقدرت خدا خوب موٹے اور میٹھے رس دار لذیذ تھے، جو عرصہ پانچ سال سے منہدم ہوگئی ہے اور بنام بیر بازید رحمۃ اللہ علیہ والی معروف تھی اور ہر خاص و عام ساکنان شورکوٹ اسکے بیر کھاتے تھے اور خداوند کریم کا نام زبان پر لاتے تھے کہ واہ واہ عجب پھل ہے۔''......اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۷ء تک یہ آثار موجود تھے جب مولوی صاحب موصوف نے یہ رسالہ تالیف فرمایا۔

متعلقین کا گزارہ بھی اسی رقبہ سے حاصل شدہ آمدنی پر تھا۔ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کے جانے کے بعد شورکوٹ کی جاگیر کا بہت سا رقبہ ملکیت کے لحاظ سے تو نہیں عملی طور پر مزارعین کے قبضہ میں چلا گیا ہوگا۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ جب بلوغت کی عمر کو پہنچے تو گو جیسا کہ آپ بار بار لکھتے ہیں، آپ کی سکونت شورکوٹ میں رہی مگر جاگیر کا وہی حال رہا ہوگا کیونکہ آپ کی زندگی کا رنگ ڈھنگ ہی جدا تھا۔ وہاں تو ان معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا۔ کام بھی اور تھا اور منزل بھی دوسروں سے مختلف تھی۔ کبھی کبھی آپ خود کھیتی باڑی کرنے لگتے تھے مگر جب جذبہ طاری ہوتا تھا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ''اِدھر اُدھر کی سیر کو نکل جاتے'' تھے۔

گو صاحب ''مناقبِ سلطانی'' نے لکھا ہے کہ ''اب تک وہ جاگیر آنحضرت کے مزار کے سجادہ نشینوں کے قبضہ میں ہے۔'' مگر انہی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زیادہ تر حصہ پر مزارعین قابض تھے۔ البتہ کچھ حصہ یقیناً اس وقت سلطان العارفین کی زیرِ ملکیت ضرور موجود رہا ہوگا۔ آپ کے والد حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے شورکوٹ میں وفات پائی اور یہیں ان کا مزار موجود ہے جہاں عقیدت مند حاضری ضروری سمجھتے ہیں۔

موجودہ روضہ میں دوسری قبر آپ کی والدہ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کی ہے۔ شورکوٹ میں اس روضہ کے سجادہ نشیں اور متولی حضرت حاجی سلطان عبدالحمید صاحب ہیں۔

صاحب ''مناقبِ سلطانی'' کی روایات کے مطابق حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا تو بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا مگر والدہ ماجدہ تادیر زندہ

رہیں حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پیش آمدہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت کی والدہ ابھی تک زندہ تھیں۔

ولادت حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ شورکوٹ میں ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوئے۔

صاحب "مناقب سلطانی" کے بیان کے مطابق حضرت بی بی راستی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ جب انگہ (وادیٔ سون سکیسر) سے شورکوٹ پہنچیں، تو حمل سے تھیں اور انہیں الہاماً وکشفاً معلوم ہو چکا تھا کہ یہ بچہ ولی کبیر ہوگا اور اس کی ولادت چناب دیس میں ہوگی۔

صاحب "مناقبِ سلطانی" نے جس طرح واقعات کو ترتیب سے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک جذبہ کے تحت اپنے دیس سے روانہ ہو کر ملتان پہنچ گئے تھے۔ بعد میں حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا آپ کے پاس چلی آئی تھیں اور یہاں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے، جو ایک بزرگ نے اپنی غیر مطبوعہ یادداشتوں میں لکھی ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے بطن سے تین بچے متولد ہوئے۔ ان کی ولادت پر حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا ان کو توجہ دیتیں تو وہ برداشت نہ کر پاتے اور ان کا انتقال ہو جاتا تھا۔ حضرت بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا

جان لیتی تھیں کہ یہ وہ موعود بچہ نہیں تھا جس کی انہیں الہامی طور پر خبر دی گئی تھی۔ چوتھی مرتبہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو انہوں نے توجہ قبول کر لی۔ اس پر ان کی والدہ جان گئیں کہ یہ وہی بچہ ہے۔ اس روایت کی تصدیق یا تردید کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے[1]

ولادت اور اسمِ گرامی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ رحمۃ اللہ علیہا کو چونکہ علم تھا کہ روحانیت میں ان کے فرزند کا پایہ بلند ہوگا اور وہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہوں گے۔ اس لیے آپ کا نام باہو رکھا۔ خود فرماتے ہیں:

نام باہو مادر باہو نہاد زانکہ باہو دائمی باہو نہاد

(محک الفقراء کلاں صفحہ ۹۴)

---

[1] یہ روایت خانوادۂ سلطان العارفین کے ایک پیر طریقت حضرت سلطان محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۸۱ء نے اپنی یادداشتوں میں تحریر فرمائی ہے۔ مولوی محمد دین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ میں اسے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''اور روایت ہے کہ جناب مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو پہلی دفعہ ایک لڑکا متولد ہوا اور اس پر نگاہ فرمائی، وہ برداشت نہ کر سکا اور فوت ہوگیا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ کو محض اولادِ نرینہ کی خاطر حضرت بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کیا ہے اور آپ کو کچھ التفات نہیں، خاموش رہیں۔ اسی طرح دو فرزند دو بار پھر تولد ہوئے اور ایک ہی نگاہ سے جاں بحق ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کو اولادِ نرینہ کی ضرورت نہیں ہے؟ فرمایا کہ ایسی نابکار اولاد بکار نہیں ہے۔ پھر چوتھی دفعہ حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ ان پر جو مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے نظر فرمائی، انہوں نے نظر کو برداشت کیا۔ مائی صاحبہ نے فرمایا کہ یہ میرا فرزند مادرزاد ولی ہے اور نام نامی ان کا مائی راستی رحمۃ اللہ علیہا تھا۔''
(صفحہ ۲)

(باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ماں نے نام باہو رحمۃ اللہ علیہ رکھا کیونکہ باہو ہمیشہ ہُو کے ساتھ رہا)

یہ معلوم نہیں کہ "سلطان" آپ کے نام کا حصہ تھا یا بعد میں مقام روحانیت پر فائز و متمکن ہونے پر آپ کا لقب ٹھہرا۔[1]

فقیر نور محمد علیہ الرحمۃ نے آپ کے اسم گرامی میں حکمت کے بارے میں لکھا ہے۔ "آنحضرت قدس سرۂ العزیز اسم باہو کے عین مظہر ہیں اور اپنی کتابوں میں ہر جگہ اپنے آپ کو فقیر باہو فنافی عین ذات یاہُو ذکر فرماتے ہیں اور جا بجا اپنی فنا اور بقا اسی اسم ہو میں بیان فرماتے ہیں...... چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں: "اگر بائے بشریت حائل نبودے باہُو عین یاہو است"، یعنی اگر بشریت کی باء درمیان میں حائل نہ ہوتی، تو باہو رحمۃ اللہ علیہ عین یاہو تھا اور نیز فرماتے ہیں:

باھو با یک نقطه یا ھو می شود
وِد باھو روز و شب یا ھو بود

یعنی باہو ایک نقطہ سے یاہو بن جاتا ہے اور باہو کا ورد دن رات یاہُو رہتا ہے اور ایک مصرع میں فرماتے ہیں:

تو نمی دانی که باھو علیہ الرحمۃ باخدا است

یعنی اے طالب کیا تو نہیں جانتا کہ باہو کے معنی ہے باخدا، یعنی خدا کے ساتھ

---

[1] اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کی ایک خصوصیت قاہری (غلبہ) یا تسخیر و تصرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

واصل اور موصل اور اس بیت میں عجیب رمز اد فرماتے ہیں:

هر چه خواهی طالب از باهو بیاب
اسم باهو چیست یعنی کج وهاب

اے طالب، تو جو کچھ بھی چاہے باہو رحمۃ اللہ علیہ سے طلب کر کیونکہ اسم باہو رحمۃ اللہ علیہ الٹا اور معکوس "وہاب" ہے۔ یعنی اسم باہو کو اگر الٹا دیا جائے تو اسم وہاب بن جاتا ہے...... آپ کے اسم باہو کے عدد بحساب ابجد چودہ (۱۴) ہوتے ہیں۔ اسی عدد کے حساب سے چاند مکمل ہو کر بدر بن جاتا ہے اور انسان کا بچہ بلوغت اور شباب کو پہنچتا ہے اور یہ عدد کائنات کے سات انواع کا دگنا ہے اور اگر اسی چودہ (۱۴) کو دگنا کیا جائے تو چاند کے اٹھائیس (۲۸) اور حروف تہجی کے اٹھائیس (۲۸) حروف بن جاتے ہیں کیونکہ چاند کی تیس تاریخوں میں دو دن چاند غائب رہتا ہے اور وہ محسوب نہیں ہوتے اور حروف تہجی کے تیس حروف ہیں۔ ہمزہ اور الف بنزل اور لا ایک شمار ہوتے ہیں۔ باقی اصلی حروف اٹھائیس رہ جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس پاک اسم کے اسرار اور معارف اگر شمار کیے جائیں تو ایک دفتر بن جائے گا۔ آپ کے اسم مبارک میں اللہ تعالیٰ کے اسماء عظام کی سی تاثیر اور برکت پائی جاتی ہے کیونکہ جو فقیر اللہ تعالیٰ کے انوارِ ذاتی میں فنا اور بقا کلی حاصل کر لیتے ہیں، ان کے اسماء میں بھی اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کی سی تاثیر پائی جاتی ہے۔ (مخزن اسرار: صفحہ ۱۷۵)

بچپن سے ہی دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔ روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ گھر سے باہر نکلتے تو ہندو اور سکھ تک کلمہ پڑھنے لگ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں آپ کے والد سے کہنا پڑا کہ بچے کو وقت بے وقت اُن کے سامنے نہ لایا جائے کیونکہ ان کا دھرم خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ابھی آپ کمسن تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کی سرپرستی، پرورش اور تربیت کی ذمہ داری براہِ راست آپ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے کاندھوں پر آن پڑی جو نہایت دوراندیشی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوئیں۔

حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا جانتی تھیں کہ ان کا بچہ مادرزاد ولی ہے...... مادرزاد ولی وہ ہوتا ہے جسے وہ قوتیں پیدائشی طور پر حاصل ہوتی ہیں جو دوسرے لوگ محنت اور ریاضت شاقہ کے بعد حاصل کرتے ہیں۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس منزل پر دوسرے ولی بعد از رنج و تعب پہنچ پاتے ہیں، وہاں سے مادرزاد ولی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا اپنے پیدائشی طور پر ولی بیٹے کی مربیٔ اول تھیں۔ آپ کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ظاہری طور پر ذکر کے ابتدائی طریقے آپ نے اپنی والدہ سے ہی سیکھے اور خود اپنی والدہ کے احوال و واردات کے شاہد بنے۔

ظاہری تعلیم آپ نے کہاں سے حاصل کی، اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی ظاہری تعلیم آپ نے ضرور حاصل کی (ممکن ہے حافظ قرآن بھی ہوں کیونکہ حفاظ کی طرح آپ اپنی کتب میں قرآنی آیات کے حوالے دیتے چلے جاتے ہیں) مگر شاید غلبہ واردات و جذبات کی وجہ سے کسی نصاب یا درس کی تکمیل نہ کر پائے اسی کو انہوں نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ ''ایں فقیر را ظاہری علم چنداں نہ بود'' (یعنی اس فقیر کو ظاہری علم کچھ زیادہ نہ تھا) مگر جذب و شوق میں آپ اس مقام پر پہنچے، جہاں علوم ظاہر و باطن آپ کے قلب پر براہِ راست القا ہونے لگے۔ فرمایا:

اگرچه نیست ما را علم ظاهر
ز علم باطنی جان گشته طاهر

(اگرچہ ہمیں علم ظاہری کچھ زیادہ نہیں تھا مگر علم باطنی سے یہ حال ہوا کہ روح پاک ہوگئی)

پھر جو کچھ آپ کے منہ سے یا قلم سے نکلا، سراسر الہام و القاء الٰہی تھا۔ اسی لیے آپ کے ابیات ہوں یا نثری کتب ان کی تاثیر دوسرے صوفی بزرگوں کی کتب سے بالکل الگ اور قوی تر ہے۔ ہر بیت دل میں اترتا چلا جاتا ہے اور جملہ دماغ اور ذہن کے گوشوں کو منور کرتا چلا جاتا ہے۔ ذہن نشینی کا عالم یہ ہے کہ بغیر کوشش اور سعی کے ابیات اور نثری جملے خود بخود حافظے میں اترتے چلے جاتے ہیں اور مستحضر رہتے ہیں۔

سلوک: سیر و سفر

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا تو والدہ ہی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ سفر پر نکلو اپنے دور کے فقراء سے ملو اور مشائخ کے مزارات پر حاضری دو۔[1]

یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ مرشدِ کامل کی تلاش میں نکلے تھے اور کسی کے ہاتھ پر ظاہری بیعت کر کے فیض حاصل کرنا چاہتے تھے، تو یہ بات کچھ درست نظر نہیں آتی۔ اسے تسلیم کرنے میں چند امور مانع ہیں۔

---

[1] "والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ گو تو مادرزاد ولی ہے لیکن صوفیانِ طریقت ظاہرین سے مجالس، ملاقات کرنا سالکان طریقت کے لیے منجملہ ضروریات سے ہے۔" (رسالہ مؤلفہ مولوی محمد دین گجراتی: صفحہ ۲۷)

اول یہ کہ آپ مادر زاد ولی تھے اور وہ خصوصیات آپ کو پہلے سے حاصل تھیں جو ظاہری مرشدی اور تعلیم و تلقین سے مرد راہ کا نصیبہ بنتی ہیں۔ البتہ مادر زاد ولی میں جو بنیادی قوتیں پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں ان کو وسعت دینے اور عروج تک پہنچانے کے لیے مزید تجربات و واردات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت سیر و سفر (ظاہری و باطنی) کے مشاہدات، فقیروں اور درویشوں کی صحبت و ملاقات، مزارات مشائخ کی زیارات اور الٰہی صفات کے ظاہری و باطنی مظاہر و تجلیات سے پوری ہوتی ہے۔

دوم حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی مربی ان کی والدہ مکرمہ تھیں جو خود ایک کامل ولیہ تھیں، پھر انہیں فتح کبیر عطا ہوئی۔ یعنی اویسی طور پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہِ راست حصولِ فیض کا کشف ہوا، تو اس نے انہیں ظاہری مرشدی سے بے نیاز کر دیا۔

سوم حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں سے کسی میں ذکر نہیں کیا کہ وہ کہیں ظاہری طور پر مرید ہوئے جبکہ مذکورہ اویسی فیض کا بار بار ذکر فرماتے ہیں۔ یہ بات ان کی شکر گزار طبیعت سے بعید ہے کہ انہوں نے کہیں سے فیض پایا ہو اور اس کا ذکر نہ کریں۔

صاحب ”مناقب سلطانی“ کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں ہی آپ کو اویسی طور پر سب کچھ عطا ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی روایات کی سند کے ساتھ بالتفصیل بیان کیا ہے کہ جب آپ ”سن رشد و تمیز یا سن بلوغت کو پہنچے“ تو ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پوری شان سے آپ کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں لے گئے جہاں صحابہ کبار رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں ہاتھ بڑھائے اور فرمایا:

''میرے ہاتھ پکڑو۔''

پھر بیعت فرمایا اور تلقین کی۔ یہاں تک کہ ''درجات اور مقامات کا حجاب باقی نہ رہا۔ اول و آخر یکساں ہو گیا۔''

تلقین سے مشرف ہونے کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تو میرا فرزند ہے۔''

پھر آپ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے ''قدم چومے اور اپنے کانوں میں غلامی کا حلقہ پہنا۔'' بعد ازاں آپ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا گیا اور خلقت کے ارشاد و تلقین کا حکم صادر ہوا۔

صاحب ''مناقب سلطانی'' فرماتے ہیں:

> ''اس روز سے آپ پر ذاتِ الٰہی کے جذبات و انوار اس طرح متجلی ہونے شروع ہوئے کہ سینکڑوں آدمیوں کو ایک ہی نگاہ سے ایک ہی قدم پر خدا رسیدہ بنا دیتے تھے...... اور اللہ تعالیٰ کے لاکھوں طالبوں کو بامراد کرتے تھے۔'' (صفحہ: ۱۷،۱۹)

حیرت یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ پھر حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے لیے کسی مرشدِ کامل کی تلاش میں نکلنے اور کسی بزرگ سے ''ازلی نصیبہ'' کے پانے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ازلی نصیبہ تو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا میں ظہور کے ساتھ ہی بلکہ اس سے بھی کہیں پہلے مل چکا تھا اور والدہ ان کو راستے پر بھی ڈال چکی تھیں۔

اس فقیر کا خیال یہ ہے کہ یہ سب سیر و سفر کسی مرشد کی تلاش کے لیے نہ تھا بلکہ ولایت کی انتہائی منزلوں تک رسائی اور تکمیل کے لیے تھا۔ ان منزلوں تک پہنچنے کے

لیے سیر و سفر کے ذریعے مختلف سطح پر تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ و تجربہ مطلوب ہوتا ہے چنانچہ اسی خاطر آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

بتایا گیا ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کی ہدایت پر اس غرض سے روانہ ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یا دو بیویاں گھر پر موجود تھیں۔ (مناقبِ سلطانی صفحہ ۴۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل عمر میں ہی آپ کی شادی ہو چکی تھی۔

فقیروں اور درویشوں سے ملاقات

"مناقب سلطانی" میں آپ کے سیر و سفر کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اوائل زمانہ میں کیے اور بعض "ارشادِ خلق" کے حکم کی تعمیل کے لیے کیے گئے۔ پھر بعض اوقات آپ نے تنہا سفر کیے ہیں اور بعض مواقع پر ایک یا ایک سے زائد درویش بھی آپ کے ساتھ رہے ہیں۔

ابتدائی دور میں آپ نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی ہے اور وہاں آپ نے اپنے مخصوص انداز میں "دعوت" پڑھی ہے۔ (یعنی اکیلے میں قبر کے اوپر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اس طرح کے پڑھنے کو آپ دعوت کہتے ہیں لیکن بار بار یہ وضاحت کرتے ہیں کہ صرف خواص ہی یہ دعوت پڑھ سکتے ہیں۔)

اسی موقع پر ایک ہندو ساہوکار کی لڑکی مسلمان ہوئی اور آپ کی زوجیت میں آئی۔

اسی طرح ایک بزرگ عبدالرحمٰن قریشی کے مزار پر بھی دعوت پڑھی لیکن یہاں اس طرح کا واقعہ پیش آیا کہ آپ کے دونوں پاؤں پر آبلے پڑ گئے۔ "جب آپ

مزار سے نیچے اُترے تو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو نامراد اور لاولد فقیر ہے۔ ہم صاحب اولاد ہیں۔ ہماری اولاد میں سے کوئی بھی تمہاری قبر پر نہیں آئے گا۔" (مناقب سلطانی صفحہ ۳۸)

اسی دور میں کئی اور بزرگوں کے مزارات پر بھی گئے ہوں گے۔ آپ کی کتاب "گنج الاسرار" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حجرہ شاہ مقیم کے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی اور شاید وہاں کے سجادہ نشینوں سے بھی ملے۔ آپ نے اس نثری کتاب میں یہ اشعار رقم فرمائے ہیں:

هر کر اپدرش بود عارف مقیم
چوں نباشد ولد بر راه مستقیم
شرف زاں لعل بهاول باوصال
نظر بر قبرش بکن شوریده حال

(جس کا والد بزرگوار عارف مقیم ہو، اس کا بیٹا صراطِ مستقیم پر کیوں کر نہ ہوا۔ لعل بہاول باوصال سے اسے یہ شرف ملا۔ اے شوریدہ حال، ان کی قبر پر نظر رکھ۔)

دریائے راوی کے کنارے واقع گڑھ بغداد میں ایک شیخ حضرت شاہ حبیب اللہ قادری مشہور تھے۔ ان کی خدمت میں بھی آپ حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے مختلف انداز سے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو آزمانے کی کوشش کی مگر ہر بار حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو قوت و ہمت میں خود سے بڑھ کر پایا۔ آخر کو آپ سے درخواست کی کہ میرے شیخ حضرت پیر سید عبدالرحمٰن قادری دہلوی کی خدمت میں تشریف لے جائیے۔

صاحب ''مناقب سلطانی'' کے بیان کے مطابق دہلی کے اس سفر میں بھکر کے ایک درویش سلطان حمید بھی آپ کے ساتھ تھے۔ وہ آپ کے خلیفہ بھی تھے۔ جب آپ حضرت پیر عبدالرحمٰن قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ''پیر صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے...... پس آپ نے مرشدِ کامل سے اپنا ازلی نصیبہ ایک قدم سے ایک ہی دم میں پالیا، جو چاہتے تھے، مل گیا۔'' (صفحہ:۴۴)

پھر وہ واقعہ لکھا ہے کہ اسی روز جمعہ کے دن حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد گئے تو تمام حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب بمع قاضی و کوتوال مسجد میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی دست بستہ توجہ کی درخواست کی۔ جس پر آپ نے بادشاہ سے پہلے یہ عہد لیا کہ

> ''ہمیں اور ہماری اولاد کو شاہی انعام و اکرام سے نہیں نوازا جائے گا۔ تاکہ تمہارے دنیاوی اموال کے سبب ہمارے عیال و اولاد میں دنیاوی جھگڑے اور فساد نہ پڑ جائیں اور گمراہ نہ ہو جائیں۔'' (صفحہ:۴۵)

اورنگ زیب نے اقرار کیا اور پھر آپ نے اس کو توجہ دی۔ اس موقع پر جو مکالمہ آپ سے منکشف ہوا، وہ شاہی کاتبوں نے ریکارڈ کر لیا اور اب یہ رسالہ ''اورنگ شاہی'' کے عنوان سے دستیاب ہے۔[1]

تب آپ دہلی سے لوٹ آئے۔

---

[1] فقیر محمد زکریا ایک درویش شاعر تھے۔ انہوں نے ۱۳۰۲ ہجری میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک سہ حرفی لکھی۔ اس میں انہوں نے کہا ہے کہ اورنگ زیب نے جب سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو

"شیخ ما": حضرت سلطان العارفین کے مرشد

مناقبِ سلطانی کے مصنف نے انہی عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری مرشد مانا ہے اور ایک شجرۂ طریقت بھی نقل کر دیا ہے مگر مذکورہ واقعہ بیان کرنے سے قبل انہوں نے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کشف بھی لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو سب مطلوبہ فیض اویسی طور پر مل چکا تھا اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بوسیلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خلق خدا کو ہدایت دینے کا حکم صادر ہو چکا تھا۔

=

فراق ہویا دل مشتاق ہوا، بادشاہ کہیا کل امیر نوں جی!!!
شورشہر جاواں، اوتھے بیعت ہوواں ونج سلام کراں اس فقیر نوں جی
اونٹ، فیل، غلام ہزار گھوڑے ونج نظر کیتیئس دستگیر نوں جی
محمد زکریا شاہ سلطانؒ کہیا، میتھوں دور کرو اس شریر نوں جی

(بادشاہ ملنے کا مشتاق ہوا۔ اس نے امراء سے کہا کہ میں شورکوٹ جا کر اس فقیر کی سلامی کرنا اور اس سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہزاروں اونٹ، ہاتھی، گھوڑے اور غلام اس نے لے جا کر سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے نذر کیے مگر سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس شریر دنیا کو میری نظروں سے دور کرو۔)

جب بادشاہ نے وہ سب دولت راہِ خدا میں لٹا دی تو "سلطان صاحب گل لا لیا، منظور کیتیئس دلدار تائیں" (سلطان صاحب نے گلے لگا لیا اور دلداری فرمائی)

مگر معلوم ہوتا ہے یہ سب شاعری ہے۔ اگر اورنگ زیب شورکوٹ آتا تو وقائع نگار، جو بادشاہ کی نقل و حرکت نوٹ کرتے رہتے تھے اور جن کا ریکارڈ اب تک کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے، اس کا ضرور ذکر کرتے...... اورنگ زیب کا کسی فقیر کی خدمت میں خاص طور پر جا کر حاضر ہونا اور بیعت ہونا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، جسے وقائع نگار نظرانداز کر دیتے۔

کشف کا یہ واقعہ مصنف "مناقبِ سلطانی" حضرت سلطان حامد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اپنے بزرگوں سے سند بہ سند سنا ہے۔" (صفحہ ۱۸)

یہ کشف عین بیداری میں ہوا۔ آپ ایک دن شورکوٹ کے آس پاس کہیں کھڑے تھے کہ "اچانک ایک صاحبِ نور، صاحبِ حشمت اور بارعب سوار نمودار ہوا۔ جس نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے بٹھالیا"...... یہ حضرت امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے۔ بعد ازاں جو کچھ پیش آیا۔ اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں نقل کی جا چکی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں حاضری اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی برکت سے مملو کر کے آپ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا گیا۔

رسالہ "روحی" میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ جب ارواحِ سلطان الفقراء کا ذکر کرتے ہیں تو غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یکے روحِ شیخ ما، حقیقۃ الحق، نورِ مطلق، مشھود علی الحق، حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ"
(ایک روح ہمارے شیخ، حقیقۃ الحق، نورِ مطلق، مشہود علی الحق حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں)۔

اب اگر اس کشف کے بیان اور پیر عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کی روایت کا موازنہ کیا جائے تو تضاد ظاہر ہو جاتا ہے۔ جب اس "فتح کبیر" کے بعد حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ پر تجلیات ذاتی وارد ہونے لگیں اور خود ارواح جلیلہ نے آپ کو رشد و ہدایت کی اجازت سے سرفراز کر دیا تھا تو پھر کسی پیر سے "ازلی

نصیبہ" پالینے کا کیا سوال ہے؟ آپ تو خود ہی شروع سے مرشدِ کامل کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

مناقبِ سلطانی میں یہ بھی لکھا ہے:

"چونکہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ مادرزاد ولی تھے اس لیے روزِ پیدائش سے ہی صاحبِ اسرار تھے۔ نیز آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے انوارِ ذات کی تجلیات کے مکاشفات کے سبب ظاہری علم اور درود وظیفہ کے لیے فرصت نہیں۔ میں ہر وقت وحدانیت میں مستغرق اور سیر فی الذات میں رہتا ہوں۔"

(صفحہ ۲۴)

اگر ظاہری علم یا درود وظیفہ کی فرصت و ضرورت نہ تھی تو پھر ظاہری مرشدی کی ضرورت سے بھی آپ اسی طرح بے نیاز تھے۔

معلوم ہوتا ہے جس طرح ہمارے تہذیبی زوال کے دور میں مختلف حلقوں اور شعبوں کے متاخرین کے ہاں صرف ظاہری نظام کے قواعد کا التزام اور اس کی غیر ضروری تاکید ہی باقی رہ گئی تھی۔ اسی طرح طریقت میں بھی روایت کی ظاہری صورت کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھا دی گئی تھی۔ شاعری میں اگر کوئی کسی کو اپنا استاد ظاہر نہیں کر سکتا تھا تو اس کو بے استاد ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ اسی طرح طریقت میں جو اپنے تئیں کسی پیر سے منسلک ظاہر نہ کر سکتا تھا، وہ بے پیر کہلاتا تھا۔ جہاں تک حضرت سلطان العارفین، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے، انہوں نے تو اس کی ہرگز پرواہ نہیں کی اور اپنے رسائل و کتب میں کسی حبیب اللہ شاہ اور پیر عبدالرحمٰن قادری وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کے برعکس اپنے اویسی فیض اور مذکورہ کشف کا اکثر ذکر کیا ہے مگر شاید بعد میں آنے

والوں نے ضروری سمجھا کہ اس دور کے مخصوص تہذیبی پس منظر میں اپنے جدامجد کو کسی نہ کسی روایتی شجرۂ طریقت سے منسلک دیکھیں اور دکھائیں۔ یوں "ظاہری مرشد" کا حوالہ ان کے نزدیک لازمی ٹھہرا۔

مولوی محمد دین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے پیر عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کو محض "بشارت" دینے کی حد تک مانا ہے۔ انہوں نے روایت کی ہے کہ

"پیر عبدالرحمٰن قادری نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حجرے کے اندر لے گئے اور فرمایا تو تو مالا مال فیضانِ توحیدی سے ہے اور تیرے ہاتھ پر ہاتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے اور حضرت پیرانِ دستگیر رضی اللہ عنہ کا تو تربیت یافتہ ہے۔ پس حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بشارت پا کر بازارِ دہلی میں تشریف لا کر بازاریوں پر توجہ فرمائی۔ پس دوکاندار خاص و عام کو ایک عالم جذب کا ظہور میں آیا۔" (صفحہ ۱۱)

بعد کے محققین میں فقیر نور محمد علیہ الرحمۃ اور جناب صاحبزادہ سلطان الطاف علی نے بھی براہِ راست اویسی فیض کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ فقیر نور محمد صاحب نے لکھا ہے کہ

"حضرت سلطان العارفین قدس سرہٗ العزیز کی ظاہری بیعت کا کہیں سے سراغ نہیں ملتا اور ٹھیک پتہ معلوم نہیں ہوتا۔"

(مخزن الاسرار، صفحہ: ۲۶۰)

سلطان الطاف علی صاحب نے بھی "شرحِ ابیات باہو رحمۃ اللہ علیہ" کے دیباچے میں اسی طرح کا اقرار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

کے شیخ وہی تھے جنہیں آپ نے جابجا اپنی کتب میں "شیخ ما" لکھا ہے یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی شان ایسی ہے کہ آپ "اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔" (ہمعات شاہ ولی اللہ، صفحہ ۱۲۷) اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کے بارے میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قادری طریقہ آفتاب کی مانند ہے اور دوسرے طُرق چراغوں کی مانند، باقی طریقے مٹ سکتے ہیں لیکن اسے اویسی طریق پر فیض رسانی کا شرف عطا ہوا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ فرمایا:

بغداد شہر دی کیہہ نشانی　　اچیاں لمیاں چیراں ہو
تن من میرا پرزے پرزے　　جیوں درزی دیاں لیراں ہو
ایہناں لیراں دی گل کفنی پا کے　　رلساں سنگ فقیراں ہو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں　　باہو کرساں میراں میراں ہو

(بغداد کی نشانی اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ دل میں گہرے اور لمبے زخم ہیں۔ تن من درزی کے ٹکڑوں کی طرح ہو رہا ہے۔ ان ٹکڑوں کا کفن گلے میں پہن کر فقیروں میں شامل ہو جاؤں گا۔ بغداد شہر میں گدائی کروں گا اور "میراں میراں" پکاروں گا۔)

ظاہر ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھتے ہوئے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جن بزرگوں کا بھی کہیں ذکر کیا گیا ہے وہ صرف آپ کے پیرانِ صحبت تھے اور بس۔ ان سے کسی فیض کی نسبت غیر متعلق اور تحقیقی لحاظ سے ناقابل تسلیم بات ہے۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مقامات پر اپنی

کتب میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ تیس سال تک مرشدِ کامل کی تلاش میں پھرتے رہے ہیں اور تیس سال سے کسی باصلاحیت طالب کی تلاش میں ہیں۔ اول تو تیس سال محض مبالغہ کے لیے محاورۃً لکھا ہے مگر اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی ایسا مرشد کامل نہیں ملا جو آپ کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ یہاں تک کہ غیب سے آپ پر فیوض و برکات اور تجلیات و واردات کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اسی طرح کوئی ایسا طلب بھی آپ کو نہ مل سکا جو مکمل طور پر آپ کا روحانی وارث بنتا ہے۔ یعنی جس طرح آپ صاحبِ کل تھے اسی طرح وہ بھی صاحبِ کل ہوتا۔ آپ کے نزدیک طلب کا معیار بھی بہت بلند تھا۔ حق یہ ہے کہ صاحبِ کل تو کوئی لاکھوں میں ایک ہوتا ہے۔ ہر ایک میں صاحبِ کل بننے کی صلاحیت اور ظرف کہاں، جتنا کچھ بھی آپ کے مریدوں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حاصل کیا، وہ بھی بہت تھا۔ وہ خود ہی کیا، ان کے آثار و مزارات تک مرجع خلائق بن گئے۔

تعلیم و تلقین

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے سجادہ نشین شیخ کے مقابلے میں ایک جگہ آزاد فقیر کی تعریف کی ہے کیونکہ آزاد فقیر مصلحتوں اور آداب و رسوم کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ آزاد فقیر ایک تو کسی جگہ کا پابند ہو کر رہنے پر مجبور نہیں ہوتا، دوسرے اس کا فیض ہر حال اور ہر صورت میں جاری رہتا ہے۔ عام طور پر وہ اس قدر ہمت و طاقت رکھتا ہے کہ سیر و سفر میں رہتے ہوئے روحانیت کی دولت لوگوں کے گھروں اور دروازوں پر لٹاتا پھرتا ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ بھی تمام عمر اکثر و بیشتر سیر و

سفر میں رہے۔ آپ کے بعض رسائل کے موضوعات و مضامین کی تکرار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہ اپنے مریدوں اور درویشوں کے لیے سفر میں ہی لکھے اور ان کے حوالے کر کے آگے چل دیئے۔ ان کا اسلوب بھی مکالمات کا سا ہے۔

بارہا ایسا ہوا کہ جذب کی حالت میں آپ نے اثنائے سفر میں کسی پر نظر کی اور اسے خدا رسیدہ بنا دیا۔ ایسے ہی ایک لکڑہارے کا ذکر ہے کہ چولستان میں لکڑیاں اکٹھی کر کے باندھ رہا تھا۔ جب حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ کی نظر پڑتے ہی وہ بے خود ہو گیا اور وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد آپ لوٹ کر اس جگہ پر آئے تو دیکھا کہ وہ وہیں متحیر کھڑا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اپنا دستِ مبارک اس کے سر پر رکھا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اسے قربِ الٰہی کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔

اگر کچھ درویش آپ کے ساتھ ہوتے تو ان کی تربیت بھی ساتھ ساتھ جاری رہتی تھی۔ بھکر کے سلطان حمید کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ کہیں بھکر کے گرد و نواح میں حضرت سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ہمراہ سیر کو نکلے تو ایک ویران ٹیلے پر بیٹھنے لگے مگر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اس ٹیلے سے جلد اُترو، یہ کسی ظالم کا مکان ہے۔"

وہاں سے ہٹ کر آپ نے تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا اور ریت پر ہی سلطان حمید کے زانوؤں پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ سلطان حمید کے دل میں خیال گزرا کہ اگر اس کے پاس دولت ہوتی، تو وہ اپنے مرشد کے لیے قیمتی لباس اور محل بنواتا وغیرہ۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اس کے دل میں آنے والا یہ خیال جان گئے اور سر اٹھا کر فرمایا: آنکھیں بند کرو۔" سلطان حمید نے آنکھیں بند کیں تو کیا دیکھتا ہے کہ میں ایک باغ میں ہوں جس میں ایک مجلس دیبا کے فرش و فروش سے آراستہ ہے

اور اس میں ایک خوبصورت عورت جڑاؤ زیور اور ریشمی کپڑے پہنے سلطان حمید سے رغبت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھ سے نکاح کر لو۔ سلطان حمید نے اسے اشارۃً اور نرم لہجے میں کہا کہ "دور ہو جا، ادب کا مقام ہے، میں اپنے ہادی کی خدمت میں حاضر ہوں، میرے پاس نہ آ، دور ہو جا۔" جب اس نے آنکھیں کھولیں تو سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دنیا تیرے پاس آئی تو، تو نے قبول کیوں نہ کی۔ اب سلطان حمید پر یہ حقیقت کھل چکی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے اس کی ذات کا نور چاہتا ہوں، مال و دولت نہیں چاہتا۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ فقر کا اثر تیرے خاندان سے نہیں جائے گا۔

بعض مشائخ جب اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں انہیں کبھی کبھی دھوکہ ہو جاتا ہے کہ شاید اس سے آگے اور کوئی نہیں گیا ہوگا۔ ایسے مواقع پر پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی خضر صورت مرشدِ کامل کو بھیج دیتا ہے کہ ان کو اس دھوکے سے نجات دلائے۔ ایسے ہی ایک بزرگ حضرت شیر شاہ تھے جو ایک سطح پر مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بس یہی ایک مجلس ہے جس میں وہ حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور آپ کے کمالاتِ ظاہر و باطن دیکھ کر جب آپ کو مجلس میں نہ پایا تو معترض ہوئے۔ تب حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی عقدہ کشائی کی اور فرمایا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچہریاں تو باطن میں کئی مقامات پر لگتی ہیں۔ سب سے ادنیٰ مجلس وہ ہے جو اس دنیا میں منعقد ہوتی ہے اور جس میں تمام اولیاء اللہ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ جب حضرت شیر شاہ کو حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے مرید ہونے کی درخوست کی۔ آپ نے "ان کی درخواست پر انہیں اپنا خلیفہ بنایا اور مقام ادنیٰ سے نکال

کر مقامِ اعلیٰ پر سرفراز فرمایا۔" (مخزن اسرار۔صفحہ:۲۵۱)

سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ مصنف "مناقبِ سلطانی" نے یہ روایت اور طرح بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید سلطان طیب انہی حضرت شیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات پر فریفتہ ہو کر ان کے مرید ہو گئے۔ بعد میں کسی بات پر ناراض ہو کر شیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے نعمت سلب کر لی اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے۔ (سلوک میں یہ اصول ہے کہ جو کچھ مشائخ کرام اپنی توجہ یا ہمت سے کچھ فیض مرید کی طرف منتقل کرتے ہیں تو اسے واپس بھی لے سکتے ہیں مگر کوئی اپنی محنت و ریاضت سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسے نہیں چھین سکتے) حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو آپ نے مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس بارے میں شکایت کی۔ "وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت شیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ سلطان طیب کو پہلے سے ساتھ حصے زیادہ نعمت عطا کریں۔" پھر قصور معاف ہو گا چنانچہ حضرت شیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا کرنا پڑا۔ (صفحہ ۴۳)

فقیر نور محمد علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق دو دفعہ آپ ڈیرہ غازی خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے اضلاع میں درویشوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور وہاں اپنا باطنی فیض پھیلایا۔ (مخزن اسرار،صفحہ:۲۵۲)

ملتان کے علاقہ میں دریائے راوی کے کنارے قصبہ سردار پور میں ایک صوفی شیخ جنید رہتے تھے۔ ان سے سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے رعب جمانے، یا آزمانے کی خاطر کچھ تصرفات کا مظاہرہ کیا مثلاً ان کے حکم پہ ان کے خادموں نے سنگریاں دیگ میں ڈالیں اور پکا کر نکالیں، تو وہ سویاں تھیں۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سویوں پر مٹی ڈال دی تو وہ شکر بن گئی

اور کسی گڑھے سے بارش کا پانی لے کر چھڑکا تو وہ گھی بن گیا۔ ساری مجلس نے وہ سویاں کھائیں چنانچہ شیخ جنید اور ان کے فرزند شیخ کالو شاہ دونوں آپ کے معتقد ہوئے۔

ایک بار ''شورکوٹ کے قرب و جوار'' میں اپنی زمینوں پر آپ نے ہل جوت رکھا تھا کہ آپ کی شہرت سن کر سادات کا ایک فرد مفلسی وغریبی سے گھبرایا ہوا حاضر ہوا مگر جب اس نے خود سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عام دھقان کی طرح ہل چلاتے ہوئے پایا، تو سوچا، یہ میری کیا مدد کریں گے۔ لوٹنے لگا تو سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بلالیا۔ حال پوچھا تو اس نے اپنی حالت بیان کی۔ آپ نے مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر پھینکا تو ''اس کھیت کے ڈھیلے اور مٹی سونا ہو گئے۔ آپ نے اس سفید پوش سید کو فرمایا کہ اپنی حاجت کے مطابق یہاں سے سونا اٹھالو۔ اس نے گھوڑے اور ساتھیوں کو خالص سونے سے لادلیا'' (مناقبِ سلطانی، صفحہ: ۵۳)

فقیر نور محمد صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ایک دائی آپ کے درویشوں کے لیے روٹیاں پکانے لگی مگر اس کی بچی رونا بند نہیں کرتی تھی۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ پنگھوڑے کے پاس بیٹھ گئے تو آپ کے اشارے پر ہی بچی چپ ہو گئی اور اس کے دل میں ذکر جاری ہو گیا۔ بڑی ہو کر وہ مائی غلام فاطمہ مستوئن کے نام سے مشہور ہوئی۔ ''مجذوبہ صاحبِ کمال'' ہو گئی۔ فقیر صاحب کے بیان کے مطابق ''مائی صاحبہ کی قبر زندہ ہے اور مرجع خلائق ہے۔ بہت سے لوگ ان کے مزار سے فیض یاب اور مستفیض ہوتے ہیں اور دینی و دنیوی مراد پاتے ہیں۔''

(مخزن اسرا، صفحہ: ۲۵۴)

رشد و ہدایت کی غرض سے سیر و سیاحت کے دوران میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کئی بار اپنے آبائی علاقہ سون سکیسر اور اس کے گرد و نواح میں بھی

تشریف لاتے رہے...... بلکہ کہا جاتا ہے کہ سوڈھی بجے والی کے گاؤں سے آگے سلطان مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے مقام کے نزدیک دو پہاڑوں کے درمیان ایک آبشار اور تالاب سا بن گیا ہے۔ وہاں پر موجود مشہور و معروف ''غار'' میں بیٹھ کر آپ ذکر و فکر کے لیے بھی معتکف رہے۔ (اب تک دور دور سے درویش اور فقیر وہاں آتے ہیں اور چلہ کاٹتے ہیں) یہ قیاس بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ممکن ہے سلطان مہدی رحمۃ اللہ علیہ صاحب، آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خلیفہ ہوں۔ جن کے مزار پر علاقے سے دور دور کے لوگ کئی مرادیں دل میں لیے ہر جمعرات کو حاضر ہوتے ہیں۔

سون سکیسر سے ملحقہ علاقہ ''وَنہار'' کہلاتا ہے۔ یہ بھی کوہستان نمک کے سلسلہ کے پہاڑوں میں ہی واقع ہے۔ وہاں راولپنڈی جانے والی سڑک کے ساتھ ہی واقع کلر کہار کا مقام قابل دید اور خوبصورت ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی جھیل ہے اور دامن کوہ میں کچھ باغات اور چشمے ہیں۔ وادی کی ایک پہاڑی سے متصل ایک ٹیلے پر خانقاہ ''آہو باہو'' واقع ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خلیفہ سلطان نورنگ کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے اور اس ٹیلے پر پورا رمضان کا مہینہ استغراق کے عالم میں معتکف رہے۔ حتیٰ کہ آپ کو سحری و افطاری کی بھی خبر نہ تھی۔ اس مدت میں ایک ہرن آتا رہا جس کے سینگ کے ساتھ کھانا بندھا ہوتا تھا۔ سلطان نورنگ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور خادم غلام محمد[1] جو قریب کے ایک گاؤں نور پور سیٹھی کا تھا، کھانا اتار لیتے

[1] غلام محمد کا ذکر حضرت سلطان محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ یادداشتوں میں ملتا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ ایک سیدھا سادھا چرواہا تھا۔ جب حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں اس کے پاس سے گزرے تو وہ بھی آپ کے ساتھ ہولیا تھا۔

اور ہرن واپس چلا جاتا۔ اسی طرح روزانہ ہوتا رہا۔ فقیر نور محمد علیہ الرحمہ نے اس موقع پر سلطان نورنگ کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

عجب دیدم تماشہ شیخ باھو
برات عاشقاں بر شاخِ آھو

جب رمضان شریف ختم ہوا تو سلطان نورنگ اور غلام محمد نے کھانا لانے کا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ بعد میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وہ ہرن آیا اور آپ نے اس پر نظر کی تو وہ جاں بحق ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ قبر بنا کر اسے وہاں دفن کیا۔ جب خادم غلام محمد نے آہو کے وصال کا یہ درجہ و مرتبہ دیکھا تو وہ بھی توجہ کا طالب ہوا۔ اس کے اصرار پر آپ نے توجہ دی، تو وہ بھی واصل باللہ ہو کر انتقال کر گیا چنانچہ اس کی قبر بھی وہیں بنی۔

فقر

حضرت سلطان العارفین کا اسلوبِ حیات

یہ بات جناب سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''مناقبِ سلطانی'' کی روشن دماغی پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے ''حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بسر کرنے کے طریق میں'' کے عنوان سے ایک الگ فصل لکھی ہے۔ گو انہوں نے روایتی طور پر صرف حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی طرزِ معاش اور ان کی استغناء کے بارے میں ہی کچھ اشارات لکھے ہیں اور معلومات بہم پہنچائی ہیں مگر اس سے کم از کم یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ انہیں ایک مرشدِ کامل یا فقیر کامل کے اسلوبِ حیات کی اہمیت کا احساس ضرور تھا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

کے ترکِ دنیا کے بارے میں بھی ایک علیحدہ فصل میں کچھ حالات تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کی جن ایجابی خصوصیات پر زور دیا ہے ان میں ترکِ دنیا کو بنیادی خصوصیت حاصل ہے مگر جیسا کہ کسی اور جگہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ ترکِ دنیا[1] سے معاملاتِ زندگی سے مکمل طور پر علیحدگی مراد نہیں ہے۔ صوفیاء کا مشن خدمتِ خلق ہوتا ہے اور خاص طور پر وہ نبیوں کی پیروی میں تعلیم و تبلیغ کے فریضے کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ خدمتِ خلق اس طرح کی نہیں ہوتی، جیسے طبقۂ امراء کے ارکان جز وقتی طور پر فیشن یا شہرت کی خاطر اسے سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ صوفیاء خدمتِ خلق کو ایک ایسا وظیفہ سمجھتے ہیں جس سے عہدہ برآء ہونے کے بعد بعض اوقات وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح تعلیم و تبلیغ ان کے لیے ایک ہمہ وقتی کارِ عظیم ہوتا ہے، جس کی اہمیت کو دنیادار لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ ان فرائض کو بخوبی سرانجام دینے کے لیے دیگر کاروبارِ زندگی اور خاص طور پر لذاتِ دنیوی سے قلبی علیحدگی بہت ضروری ہوتی ہے۔ اسی کو صوفیاء ترکِ دنیا کہتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ان اولوالعزم معلمین میں سے تھے جن کے لیے بڑے ہو کر مرشدِ کامل کے مقام پر فائز ہونا ازل سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ خلق خدا کی ہدایت کے لیے استاد بننا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس کے لیے اپنے اوپر کئی پابندیاں عائد کرنا پڑتی ہیں اور عام سطح سے بلند ہو کر زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔

آزادہ روی حصے میں اغیار کے بیدمَ
پابندیٔ آئین وفا میرے لیے ہے

[1] راقم کی کتاب "احوال ومقامات حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ" صفحہ ۶۴

گھر میں فاقہ ہو یا رزق کی فراوانی ہو، اس مقام کے انسان کا ذہن ان حالات سے قطعاً اضطرار و اضطراب محسوس نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک عظیم کارِ خیر پر نظر رکھتا ہے اور وہ ہے تعلیم و تبلیغ۔ اگر یہ کام درست اور مناسب طریقہ پر ہو رہا ہے تو پھر سب ٹھیک ہے تب مردِ حق ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے مرشدِ کامل تھے، جو کسی خانقاہ میں کبھی مقیم ہو کر نہ رہے بلکہ چل پھر کر حکمت و معرفت بانٹتے پھرے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں والد کو ملی ہوئی جاگیر سے انہیں کیا حاصل ہوتا ہو گا۔ خواہ کتنی بڑی جاگیر ہو، آمدنی کے لیے وہ ہمہ وقت نگرانی اور انتظام کی متقاضی ہوتی ہے مگر یہاں صورت حال یہ تھی کہ والد فوت ہو چکے تھے۔ ایک والدہ محترمہ تھیں، سو وہ بھی ذکر و فکر میں محو رہا کرتی تھیں۔ پھر آپ خود تھے کہ ساری عمر رشد و ہدایت کے سلسلہ میں پیروں اور طالبوں کی تلاش میں دور دراز کی آبادیوں میں سفر کرتے پھرے۔

گو خاصی وسیع جاگیر تھی مگر ذریعہ معاش کے بارے میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ بس ہمیشہ توکل اور استغناء سے ہی کام لیتے رہے:

> ''ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ پچاس ہزار بیگھہ سے زیادہ زمین اس جاگیر میں تھی۔'' (مناقب سلطانی، صفحہ: ۵۱)

اگر اس روایت میں کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہو، تب بھی رقبہ کی وسعت تو ضرور ظاہر ہوتی ہے مگر اس کی آمدنی ہمیشہ مزارعین کے رحم و کرم پر رہی ہو گی۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تو یہ تھا کہ جب جذبہ طاری ہوا۔ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔'' یہ امر آپ کی تصنیفات کے مطالعہ اور نصیحتوں کے سننے سے واضح ہو سکتا ہے کہ آپ نے عمر بھر میں کسی دنیاوی تعلق یا شغل سے دست مبارک آلودہ

نہیں فرمایا۔ ہاں صرف دو دفعہ بیل لے کر اپنے ہاتھ سے ہل چلایا اور کھیتی باڑی کی لیکن میں نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی سنا ہے کہ دونوں مرتبہ ہی عشقِ الٰہی کے جذبات کے سبب آپ نے بیلوں کو جُتتے جتائے کنوئیں پر کھڑے چھوڑا اور خود تجلیات اور مکاشفات کے دیدار میں مست ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں کی سیر کو نکل گئے۔ مطلب یہ کہ دونوں مرتبہ ہی کھیتی کا کام سرانجام نہ ہوا۔" (مناقب سلطانی، صفحہ:۲۶)

"واضح رہے کہ اس مسکین نے جو کچھ اپنے بزرگوں کی زبانی سنا اور آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مؤلفہ کتابوں سے معلوم ہوا اور قرب و جوار کے بزرگوں کی سرگزشت سے مفہوم پایا۔ ان سے قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے روزی کی خاطر کوئی دنیاوی شغل کیا ہو۔ صرف اسی قدر ہوا کہ آپ نے کھیتی باڑی کے ارادہ سے صرف دو دفعہ، دو بیل خرید کر کھیتی باڑی شروع کی لیکن ابھی فصل پکنے نہ پائی تھی کہ اسی صورت میں چھوڑ کر نکل جاتے۔ چنانچہ بیل بھی جو چاہتا، لے جاتا۔ کسی کے سپرد نہ کرتے اور جذباتِ الٰہی میں اِدھر اُدھر کی سیر کو نکل جاتے۔ آپ معہ اہل و اطفال اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے۔" (ایضاً:۵۰،۵۱)

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے فقیر کامل تھے جو صاحب ارشاد بزرگوں میں "اُستادِ کُل" کہلاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام اقدار کے حامل تھے، جو فقر کا لازمہ ہیں۔ مثلاً عشق، عقل، علم، ترکِ دُنیا (استغناء اور توکل)۔ آپ ایسے حکیم یا دانشور نہ تھے، جو صرف سوال اُٹھانا جانتے ہوں یا صرف باتوں کی حد تک حکمت و دانش کا دعویٰ رکھتے ہوں بلکہ آپ نبیوں کے نائب اور وارث تھے۔ جو پہلے خود عمل کر کے دکھاتے ہیں اور پھر دوسروں کو اس کا سبق دیتے ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان تمام تعلیمات کا نمونہ تھی جو انہوں نے اپنی تحریروں میں بیان فرمائی ہیں۔

آپ شریعت کے پابند تھے اور سختی کے ساتھ اس پر عمل کی تاکید کرتے

تھے۔ آپ صاحبِ خُو بزرگ تھے، سکر کے غلبہ میں بھی آپ کا شعور بیدار رہتا تھا۔ اسی شعور کے تحت آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا اور درویشوں کی روحانی تربیت کی۔

ازدواج واولاد

مناقبِ سلطانی کے مصنف کے بیان کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ کی چار بیویاں تھیں اور آپ کے آٹھ بیٹے بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ حضرت سلطان نور محمد رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت سلطان ولی محمد رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت سلطان لطیف محمد رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرت سلطان صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ حضرت سلطان اسحاق محمد رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ حضرت سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ حضرت سلطان شریف محمد رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ حضرت سلطان حیات محمد رحمۃ اللہ علیہ (جو بچپن میں ہی دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ صفحہ ۵۰)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ازدواجی زندگی پر بعض کم فہم لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں ایک سے زیادہ بیویاں ہونا فقر کے منافی ہے۔ دراصل ان کی طرف سے یہ شکایت فقر کے اسلامی اسلوب حیات کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔ ایک مسلمان فقیر کے لیے انسان کامل، خیر البشر، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ایک کامل نمونہ پیش کرتی ہے۔ ہر خاص وعام کو مخاطب کر کے خالق کائنات نے

فرمایا ہے کہ زندگی بسر کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی تمہارے لیے کامل نمونہ ہے۔ فقیر اس نمونے کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنے لیے ایک مرتبۂ عظیم خیال کرتا ہے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

وَ کُلٌّ لَہٗ قَدَمٌ وَّ اِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

(اور ہر ولی اللہ کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں بے شک
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہوں، جو کمال کے چاند ہیں۔)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاشرتی سطح پر بھی ایک بھرپور زندگی بسر کی۔ شادیاں کیں، جنگیں لڑیں، قیادت کی، خطبے دیئے، وعظ کیے اور اپنے آس پاس انسانوں کے دکھ سکھ میں شریک رہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فقر میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر فقر کو اپنا فخر قرار دیتے ہیں۔

آج کے دور میں حالات و رجحانات کچھ ایسا رخ اختیار کرنے لگے ہیں کہ تعدادِ ازدواج کا معاملہ کئی وجوہات کی بناء پر ایک حساس مسئلہ بن گیا ہے مگر آج سے ایک صدی پہلے یہ قطعاً کوئی شدید اہمیت نہ رکھتا تھا۔ آج بھی اگر یہ مسئلہ مردوں یا عورتوں میں سے کسی کے ذہن پر چھایا ہوا ہے تو اس سے سوائے دکھ کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکا...... اسلام نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت اس لیے دی تھی کہ شر اور فساد کے امکانات کو رد کیا جائے۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ضروری نہیں، صرف چار بیویاں رکھنے تک اجازت دی گئی ہے۔ اگر کچھ لوگ اس اجازت کے پیشِ نظر اپنی بیویوں کے ساتھ خوش رہ سکتے ہیں اور انہیں خوش رکھ سکتے ہیں تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تعددِ ازدواج کا مسئلہ فقر کے خلاف نہ تھا۔ ان کے دور میں یہ مبغوض رویہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔"مناقب سلطانی" میں یہ اشارے موجود ہیں کہ خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بیویاں آپ کے اسلوبِ حیات سے مطمئن تھیں اور آپ نے اپنے تمام لڑکوں کو ظاہری طور پر بھی تعلیم سے بے بہرہ نہیں رہنے دیا۔ (صفحہ:۵۰)

خلفاء کرام

ایک بزرگ شیخ کچھ طالبوں کی ایسی روحانی تربیت بھی کرتا ہے کہ وہ آگے اس کے کارِفیض رسانی کو جاری رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ جہاں رہتے ہیں، اپنے شیخ کی روحانی برکات کے وارث وقاسم بن کر رہتے ہیں۔

گو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے قول کے مطابق ایسا باصلاحیت طالب نہ مل سکا جو ان کی تمام معرفت و برکت کے حصول کا ظرف رکھتا مگر اس کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو لوگ خلافت کے لیے چنے، اپنی اپنی جگہ پر مرجع خلائق بن کر رہے اور ان کے مزارات تک شعائر اللہ بن گئے۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت سلطان نورنگ کھتران کا نام سرفہرست ہے۔ انہیں شاید حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور ہمراہی کا زیادہ موقع ملا۔ بقول فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ (مخزن اسرار ص ۲۲۳)

علاقہ دامان (ڈیرہ اسماعیل خاں) کے ایک قصبہ وَہووہ کے رہنے والے تھے اور بلوچ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ کلر کہار میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

پہاڑ کے ٹیلے پر معتکف رہے، تو یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات زیادہ نہیں لکھے گئے۔ صاحبِ مناقبِ سلطانی نے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ

''حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت سلطان نورنگ زندہ رہے اور خلق خدا کو بہت فیض پہنچایا۔'' (صفحہ:۵۵)

ان کی توجہ بہت مؤثر تھی۔ کبھی کبھی مراقبہ سے سر اٹھا کر کسی طرف نگاہ کرتے تو اس کے اثر سے طالب اور مرید'' صاحب کشف واحوال ہو جاتے اور ذاتِ خدا کا نور ان کے سینوں میں چمکتا اور انہیں وجد اور جذباتِ الٰہی حاصل ہوتے۔'' (مناقبِ سلطانی صفحہ ۵۸)

آگے ان کے خلفاء میں حضرت شاہ مراد، سلطان احمد سٹھو، سلطان نور محمد موچی بہت معروف ہوئے ہیں۔

ڈھاڈر (بلوچستان) کے ملا معالی علیہ الرحمۃ ''عرصہ دراز تک دونوں درویشوں سمیت (ملا مصری اور عالم شاہ) شیخ الشیوخ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں حاضر خدمت رہے۔ مدت بعد پورا پورا فیض حاصل کر کے ان دونوں درویشوں سمیت رخصت حاصل کی۔'' (مناقبِ سلطانی صفحہ ۵۶)

موضع گھوٹکی (نزد روہڑی) کے سید محسن شاہ علیہ الرحمۃ کی فیض یابی کا واقعہ اور ان کی خلافت کا حال فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب مناقب سلطانی دونوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ان کے واقعات میں کہانی کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ سادات کا یہ بچہ ایامِ طفلی میں ہی یتیم ہو گیا اور والدہ نہایت عسرت کی حالت میں پرورش کرنے لگی۔ ایک بار اپنے گاؤں سے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہونے والے ایک شخص سے آپ کے

صاحب فیض اور مستجاب الدعوات ہونے کا شہرہ سنا تو دوسری بار اپنے بچے کو بھی حاضری کے لیے اس کے ساتھ بھیج دیا اور عرض کرنے کے لیے کہا کہ دینی اور دنیاوی دونوں طرح اس بچے کو فیض پہنچایئے۔ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ ویسے بھی سادات کا احترام کرتے تھے۔ آپ نے بڑی شفقت فرمائی اور پہلے ظاہری علم حاصل کرنے کی نصیحت فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ جب علم ظاہری میں فارغ التحصیل ہو چکے تو پھر حاضر خدمت ہوئے۔ اب کے جو پہنچے" تو آنحضرت قدس سرہٗ نے ان کی دل زمین پر انگشت شہادت سے اسم اللہ ذات لکھ کر توجہ فرمائی۔ جس سے محسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب اور قالب ہر دو روشن اور منور ہو گئے اور عارف روشن ضمیر اور زندہ دل ہو گئے اور آپ کا ظاہر اور باطن اسم اللہ ذات سے معمور ہو گیا۔ حضور کی ذاتی توجہ اور نوری التفات نے سید محسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہر دو دینی و دنیوی، صوری و معنوی اور ظاہری و باطنی طور پر وہ کمال بخشا کہ آپ تھوڑے دنوں میں کامل سالک اور مرجع خلائق بن گئے۔" (مخزن اسرار صفحہ ۲۵۸)

صاحب رحمۃ اللہ علیہ مناقب سلطانی نے ذرا مختلف طور پر دوسری بار حاضری کا واقعہ بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت محسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ابھی راستے میں تھے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا مگر ان کے پہنچنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق اس ذات کا ایک نقش جو آپ نے مٹی پر ہی لکھ دیا تھا، ان کے سامنے کر دیا، جس سے ان پر کیفیت طاری ہو گئی۔" آپ دیکھتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور صاحب زادوں نے بدستور اس نقش کو ڈھانپ دیا۔ کہتے ہیں کہ سید محسن شاہ تین دن رات بے ہوش رہے اور مست پڑے رہے، بعد ازاں ہوش میں آئے اور دوسری مرتبہ اسم اللہ ذات کے نقش کو دیکھا تو پھر مست ہو گئے۔ دو دن رات کے بعد

ہوش میں آئے، تیسری مرتبہ جب دیکھا تو ایک دن رات پھر مست رہے۔ جب چوتھی مرتبہ دیکھا تو مستی غالب نہ آسکی۔ یعنی نعمت نے دل میں قرار پکڑ لیا۔" (صفحہ ۶۹)

سید محسن شاہ گھوٹکی میں ہی قیام پذیر رہے اور" کہتے ہیں کہ سید محسن شاہ نے سندھ میں ایک لاکھ آدمیوں کو ارشاد اور تلقین فرمائی۔" (صفحہ ۷۰)

اپنے مرشد کا اتنا احترام ملحوظ خاطر تھا کہ اگر چناب دیس کا کوئی آدمی ادھر جا نکلتا تو "اسی وقت اٹھ کھڑے ہوتے اور خدمت کے تمام کام خود دست مبارک سے سرانجام فرماتے۔" حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ خانقاہ مقدس کی زیارت کو آتے رہے۔

جب تک آپ رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے، علاقہ میں لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ اس طرح سرانجام دیا کہ دور دور تک بدعات کا سدباب ہو گیا اور علاقہ میں امن قائم رہا۔ آپ کے بعد کے خلفاء نے کام کو جاری رکھا۔

حضرت سید محسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں انب (وادیٔ سون سکیسر) کے حضرت سلطان ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جو مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ کچھ عرصہ دائرہ دین پناہ میں قیام کیا۔ پھر انب چلے آئے اور یہیں ان کا مزار مبارک ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار مجاورین اور صوفیاء ہیں جنہوں نے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے مزار مبارک سے یا آپ کے سجادہ نشینوں سے فیض حاصل کیا اور بالآخر خود فیض رساں بن گئے۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا گو دہلی جانے کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے مگر تلقین اور رشد و ہدایت کے لیے آپ نے زیادہ تر سفر وادیٔ سون سکیسر، ملتان، ڈیرہ غازی خاں، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، سندھ اور بلوچستان کے علاقوں کی طرف کیے اور آپ

کے اکثر خلفاء انہی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ ان مقامات پر ہرگز نہیں رہے جو تعلیم و تدریس یا تہذیب وثقافت کے معروف مراکز تھے۔آپ کی ملاقات اپنے دور کے کسی قابل ذکر صاحب تصنیف سے بھی نہیں رہی، جو آپ کا ذکر کسی تذکرہ یا مجموعۂ ملفوظات میں کرتا۔آپ دیہات کے سیدھے سادھے لوگوں میں ذکر کی تلقین کرتے اور اسم اللہ ذات ان کے دلوں پر نقش کرتے پھرے اور انہی لوگوں نے پھر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کو عام کرنے میں نہایت جانکاہی اور استقامت سے کام کیا۔ یہ استعداد بھی ان میں حضرت سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہی پیدا کردہ تھی۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف وسلوک کے موضوع پر کئی کتابیں لکھیں اور کئی رسائل تصنیف فرمائے اکثر رسائل تو مکالمات معلوم ہوتے ہیں جو آپ کے درویشوں نے قلمبند کر لیے اور آپ نے ان کی توثیق فرمائی۔ یہ بھی ہوا کہ خود آپ نے سلوک میں ان کی رہنمائی کے لیے رسائل لکھ کر ان کے حوالے کیے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آج کے بعض دانشوروں کی رسائی علم صرف اُن کے ابیات تک معلوم ہوتی ہے، اس لیے وہ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کو سمجھ نہیں سکے۔آپ کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے آپ کی تمام تصنیفات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اکثر کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ الہامی ہیں اور فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی درویش اخلاص کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ ظاہری مرشدی سے بے نیاز ہو جائے گا۔

اس وقت ان کتب کے تراجم کتب فروشوں کے ہاں دستیاب ہیں۔ اگرچہ یہ ترجمے معیاری نہیں تاہم ان کتب کی تاثیر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ الہامی صحف کا خاصہ ہوتا ہے کہ ترجمے میں بھی قوت قدسیہ کے شرارے موجود رہتے ہیں جو دلوں کو گرما دیتے ہیں۔

اگرچہ پہلے پہل حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی کتب مشکل معلوم ہوتی ہیں مگر قاری صبر سے کام لے تو وہ آہستہ آہستہ ان کے اسلوب سے مانوس ہوتا جاتا ہے اور بالآخر اس میں سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے اور انوار دل میں اترنے لگتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آپ نے تقریباً ایک سو چالیس رسائل وکتب لکھیں مگر ان میں سے بیشتر ضائع ہو گئیں۔ مندرجہ ذیل کتب تراجم کی صورت میں موجود ہیں اور ان کے فارسی قلمی نسخے بھی بعض عقیدت مندوں کی تحویل میں ہیں جنہیں شروع سے ہی خوش نویس کاتب نقل کرتے اور مریدوں درویشوں میں تقسیم کرتے چلے آئے ہیں۔ بہت سے نسخے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کچھ الفاظ تبدیل ہو گئے یا جملے غلط نقل ہوئے۔ آج اگر کوئی صاحب علم ان رسائل وکتب کا ترجمہ کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ پہلے ان کے متن پر تحقیق کرے اور پھر ترجمہ کرے ورنہ اس کی محنت کچھ زیادہ سود مند نہ ہو گی کیونکہ ایسے ویسے تراجم تو پہلے سے موجود ہی ہیں۔

مندرجہ ذیل کتب ورسائل کے ترجمے مل سکتے ہیں:

- ابیات سلطان باہو (پنجابی)
- امیر الکونین
- اسرار قادری

- اورنگ شاہی
- توفیق الہدایت
- تیغ برہنہ
- جامع الاسرار
- دیوان باہو (فارسی)
- رسالہ روحی
- شمس العارفین
- عقل بیدار
- محک الفقراء (خورد)
- عین الفقر
- فضل اللقاء
- قرب دیدار
- کلید التوحید (خورد)
- کلید التوحید (کلاں)
- کلید جنت
- گنج الاسرار
- مجالسۃ النبی
- محبت الاسرار
- محک الفقر (کلاں)
- محکم الفقراء

- مفتاح العارفین
- نورالہدیٰ (خورد)
- نورالہدیٰ (کلاں)

وفات: مزار

تمام عمر کی فیض رسانی کے بعد جمعہ کی رات تین پہر گزرنے کے بعد اول جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ کو بمقام شورکوٹ وصال فرمایا۔

"آپ کا جنازہ ملتان کے پرگنوں میں سے پرگنہ شورکوٹ کے متعلق موضع قہرگاں کے ایک قلعہ میں، جو پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا، دفن کیا گیا۔" (مناقب سلطانی صفحہ ۱۴۶)

یہ مزار عام قبروں کی طرح مٹی کا بنا ہوا تھا۔ جس پر کوئی روضہ یا عمارت نہ تھی۔

ستتر (۷۷) سال آپ کا مزار اس قلعہ قہرگاں میں رہا۔ حتیٰ کہ سکھا شاہی کے دور میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کی اولاد یہاں سے ہجرت کر گئی۔ تب ایسا ہوا کہ "اتفاقاً دریا قلعے تک آپہنچا اور اسے گرا دیا۔ پھر قبروں تک جا پہنچا۔ فقیروں اور خلیفوں نے باقی مزاروں کو نکال کر صندوقوں میں رکھ لیا اور حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ بدستور رہا، آپ کا صندوق نہ مل سکا۔ فقیر اور خلیفے ناامید ہو کر رونے لگ کہ یا شیخ، حضور کے جسم مبارک کا صندوق نہیں ملتا اور دریا قریب آرہا ہے اس صورت میں حضور کی اولاد دیہاتی ہو جائے گی اور فقیر پراگندہ اور پریشان ہو جائیں گے۔

"پس فقیروں اور خلیفوں کو حضور سے ارشاد ہوا کہ ہم ضرور باہر نکلیں گے مگر جو شخص ہمارے جسم کو چھونے کے لائق اور قابل ہو گا وہ

کل صبح سویرے سورج نکلنے کے قریب یہاں آئے گا۔ وہ ہمارا صندوق نکالے گا اور دریا غلبہ نہیں کرے گا۔ درویشوں کو اس اشارے سے تسلی ہوئی اور حکمت غیبی کے ظہور کا انتظار کرنے لگے۔ جب مقررہ وقت آیا تو ایک سبز پوش برقعہ دار شخص ظاہر ہوا۔ اس نے چہرے پر سے نقاب نہ اٹھائی اور آتے ہی بلا تامل اسی مٹی میں سے، جو فقیروں اور خلیفوں نے کھود کھاد رکھی تھی۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا صندوق باہر نکالا۔ ہزارہا لوگ جمع ہو گئے۔ انہوں نے زیارت کی۔ دیکھا تو حضرت قدس سرہٗ بدستور سوئے ہوئے تھے اور ریش مبارک سے غسل کے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ جب صندوق کھولا گیا تو میلوں تک خوشبو پھیل گئی۔ اکثر حاضرین کو جذبہ اور وجد ہو گیا۔"

(مناقبِ سلطانی صفحہ ۱۵۱)

ایک جگہ جہاں پیپل کا کنواں تھا اور جگہ ویران پڑی تھی، اس جگہ آپ کا مزار مبارک منتقل کیا گیا۔ کہتے ہیں، القاء کی صورت میں خلفاء اور مجاورین کو ایسا کرنے کا امر ہوا۔

مولوی محمد دین گجراتی نے رسالہ میں لکھا ہے:

"......لیکن دفن کرنے کے وقت حاضرین کو سخت تردد ہوا تھا کہ کس جگہ پر صندوق مبارک دفن کیا جاوے کیونکہ جانب غرب دریا کی کل جنگل چراگاہ مویشیوں کا تھا مگر اس میں ایک میدان دو سو گز مربع پرواڑ کانٹوں کی باندھی ہوئی تھی اور جھاڑو کر کے میدان

مذکور صاف کیا ہوا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ جھاڑ و مال مویشی چرانے والوں نے کیا ہے۔ ان سے جو لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عرصہ دو ماہ سے یہ حال ہے کہ جب کوئی مویشی ہمارا اس جگہ آتا ہے، بیمار ہو کر فوراً مر جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہاں پر جائے عظمت سمجھ کر واڑ کانٹوں کا مارا ہوا ہے اور جمعرات کو چراغ جلاتے ہیں اور وہاں پر ایک کچا کنواں بھی تھا۔ جو لوگوں نے واسطے پانی پینے کے کھودا ہوا تھا اور ایک درخت پیپل کا بڑا عظیم الشان تھا۔ جس کے سایہ تلے لوگ بیٹھا کرتے تھے اور اس کنوئیں کا پانی پیتے اور یادِ خدا میں مصروف و مشغول رہتے اور درجہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا حاصل کرتے۔" (صفحہ ۳۶)

ایک سو ستاون برس گزرنے کے بعد ۱۳۳۶ھ میں تیسری بار پھر مزار کی تبدیلی کا اہتمام کرنا پڑا۔ ایک بار پھر دریا سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

اس وقت حضرت سلطان نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ تھے۔ ان کی ہدایت پر حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی اولاد کے تابوت نکالنے اور دفن کرنے کا واقعہ مولوی محمد دین گجراتی نے اپنے رسالہ میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ مولوی محمد دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلطان نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا تھا اور خلافت حاصل کی تھی۔ بہت ممکن ہے وہ اس موقع پر موجود بھی ہوں۔ وہ بتاتے ہیں کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے تابوت تو باآسانی نکال لیے گئے مگر سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا صندوق سات ہاتھ گہری زمین کھودنے پر بھی نہ ملا تو سب پریشان ہوئے۔ بالآخر رات کو بوقتِ سحر حضرت سلطان نور

احمد رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین) کے پوتے صاجزادہ دوست محمد کو حکم ہوا کہ زمین اور نیچے کھودو تو صندوق نکلے گا۔'' پس علی الصبح صاجزادہ صاحب دوست محمد اور سید عربی شاہ جو مدینہ منورہ کا باشندہ درویش بارگاہِ سلطانی کا ہے، اور میاں محمد فقیر نے نیچے سات ہاتھ کے کھودنا شروع کر دیا۔ فوراً حلہ ہائے خوشبو جس کی مثل دنیا میں نہیں مل سکتی، حتیٰ کہ صاجزادہ دوست محمد کو صندوق تو دستیاب ہوا مگر کثرت خوشبو کے باعث دماغ برداشت نہ کر سکا، باہر نکل آئے۔ پھر باہر کی آب و ہوا لے کرافاقت کے بعد پھر اندر گئے اور عربی شاہ باہر آئے، بحالتِ مدہوشانہ۔ غرضیکہ خوشبو کا وہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے...... پھر صندوق مبارک نکال کر محل شریف میں ہی محفوظ رکھا اور یہ واقعہ ماہ محرم کی دس تاریخ سے پہلے ۱۳۳۶ھ کو ہوا اور پھر بمشورہ حضرت حاجی نور احمد صاحب سجادہ نشین دربار شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر غربی وشمالی گوشہ پر محل شریف بنانے کی تجویز مقرر ہوئی اور چھ مہینہ کے عرصہ میں وہاں پر محل شریف، مسجد شریف اور حجرات بنا کر صندوق مبارک کو لے جا کر بروز جمعہ دفن کیا جو اب وہ مرجع خلائق خاص و عام ہے۔''

(صفحہ ۳۸،۳۹،۴۱)

موجودہ جگہ خاص طور پر شاید اس لیے بھی منتخب کی گئی کہ دریا سے دور تھی اور نسبتاً اونچی تھی۔ نوشہرہ (وادی سون سکیسر) کے حافظ غلام محمد صاحب کے والد نور محمد مرحوم ان معماروں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی طور پر ان قبور کو بنانے میں حصہ لیا۔ اپنے والد مرحوم سے حافظ صاحب روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا صندوق زمین کے اوپر رکھ دیا گیا اور اس کے گرد دیوار اٹھائی گئی۔ اسی وجہ سے روضہ کے اندر آپ کی مبارک قبر خاصی اوپر اٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے بلکہ کہتے ہیں اب تو یہ کم اونچی ہے کہ روضہ کی تعمیر نو میں ارد گرد بھرائی کر دی گئی، پہلے زیادہ بلند

تھی۔ آپ کی قبر کے دونوں طرف تین صندوقوں کو دائیں اور تین صندوقوں کو بائیں رکھ کر آپ کی اولاد کے بزرگوں کی قبریں بنادی گئیں جو روضہ کے اندر موجود ہیں۔

روضہ مبارک کی تکمیل اور تزئین و آرائش کا کام اگلے سجادہ نشین حضرت حاجی محمد امیر سلطان کے دور میں سرانجام پایا۔ روضہ کی تعمیر اور نفاست و آراستگی سجادہ نشین موصوف کے حسنِ ذوق کی آئینہ دار ہے۔

تربتِ باہو رحمۃ اللہ علیہ

یوں تو صوفیاء کرام کی تعلیمات میں یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک مرشدِ کامل اور صاحبِ فیض کی قبر سے اس کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے کیونکہ اس کی قبر پر فرشتے موجود رہتے ہیں اور اس کے مزار کے گرد اہلِ صفاء بھی ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ نیز حاضری دینے والوں کی دعا و عبادت سے مزار کے آس پاس کی فضا ایک پر اسرار تقدس سے معمور ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی باطن کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں وہ اوپر سے مزار پر نور برستا ہوا بھی دیکھتے ہیں جو انہیں کبھی کبھار ایک ستون یا مینار کی طرح قبر کے اوپر نظر آتا ہے۔ ان اسباب کی بناء پر ایک ایسا ماحول تشکیل پاتا ہے کہ مزار کے اندر داخل ہونے والے زائر کے قلب میں صاحبِ فیض کی روحانی تاثیر روشنی و گرمی پیدا کر دیتی ہے اور اگر کوئی اپنے دل کو خالص کر کے گیا ہو یعنی دل کی صحیح و سلیم حالت کے ساتھ حاضر ہوا ہو تو وہ اس تاثیر کو اس طرح محسوس کرتا ہے کہ اس کا ایمان و عقیدہ حق الیقین کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کسی ولی کے لیے اپنی زندگی میں دعویٰ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ قبر میں رہ کر بھی بدستور خلق خدا کو اس طرح فیض پہنچاتا رہے گا کہ

ظاہری مرشدی کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ دعویٰ کوئی حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم المرتبت فقیر ہی کرسکتا ہے اور آپ نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی کو مرشد نہ ملے تو وہ فقیر باہو رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضری دے انشاء اللہ اپنا مقصود پالے گا۔

ملک کے اندر اور باہر عوام وخواص میں بے شمار لوگ مل جائیں گے جن میں سے اکثر نے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا نام تک نہ سنا تھا مگر بذریعہ خواب و کشف انہیں حاضری دینے کی ہدایت کی گئی اور حاضر ہونے پر مشکل حل ہوگئی۔

مزار مبارک سے فیض پانے کی صرف ایک شرط ہے کہ حاضر ہونے والا شخص اخلاص اور محبت کے جذبات کے ساتھ حاضری دے۔ کوئی خود بین، خود پسند یا اپنے کسی سلسلہ طریقت سے شدید حد تک وابستہ اور دوسرے طریقوں سے عصبیت رکھنے والا مرید یا تصوف وسلوک کے بارے میں بدعقیدگی رکھنے والا شخص کہیں سے بھی کچھ فیض نہیں پا سکتا۔ اِلا ماشاء اللہ!

تربت باھو چوں کوہِ طور داں
مُوسیا! برخیز نورے شُد عیاں!
ھُو برآید دمبدم از خاک اُو
ھُو کند ھُو ھُو کند خاشاک اُو

(فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ)

(حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تربت کو کوہِ طور کی طرح سمجھو۔ اے موسوی مشرب، اُٹھ! تربت باہو رحمۃ اللہ علیہ سے نور ظاہر ہوگیا۔ آپ کے مزار کی خاک سے ہر وقت ہُو کی

آواز آرہی ہے۔ وہاں کی مٹی تک ہُو، ہُو کر رہی ہے یعنی ذکر میں مشغول ہے)۔

حضرات سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے اب تک مرکزی درگاہ کے سجادہ نشین چلے آرہے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے جوہرِ فقر کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اب تک حلقۂ صوفیاء وفقراء میں سب اہلِ صفاء کے لیے مثال اور نمونہ بن کر رہے ہیں۔ ان سب حضراتِ گرامی نے (اللہ تعالیٰ ان کے درجات اپنے قرب میں بلند تر فرمائے) سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی اشاعت کے کام کو ظاہری و باطنی طور پر جاری رکھا۔

ا۔ مناقب سلطانی کی روایت کے مطابق حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے سجادہ نشین حضرت شیخ ولی محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے (اگرچہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزند حضرت سلطان نور محمد تھے۔ مگر وہ خود کسی اور علاقہ میں چلے گئے تھے اور خود اپنے بھائی حضرت سلطان ولی محمد رحمۃ اللہ علیہ کو سجادہ نشین بنا گئے تھے)

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دہلی اور دیگر مقامات پر بھیجا جہاں انہوں نے ''علوم دینی اور فن کتابت'' میں مہارت حاصل کی۔ خود والد ماجد حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تربیت پائی تھی اور والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سُکر کی حالت میں سیر وسیاحت کے لیے نکل جایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے، آپ کا رُخ بھی سرائیکی علاقہ جات کی طرف

ہوتا تھا۔ ایسے ہی ایک سفر میں ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں مرڑ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

۲۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶۱ھ میں سجادہ نشین ہوئے۔ نادر شاہی قتل و غارت اور عام بدنظمی کے ماحول سے ہجرت کر کے آپ لیہ (ڈیرہ غازی خان) کے علاقے میں چلے گئے تھے اور وہاں کے ایک گاؤں نوشہرہ سیداں میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی اور دفن ہوئے۔

کچھ مدت بعد جب امن و چین کی صورت پیدا ہوئی تو آپ کے صاحبزادے سجادہ نشین حضرت حافظ سلطان محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ کا تابوت نوشہرہ سے لے آئے اور حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں دفن کیا۔

۳۔ حضرت حافظ سلطان محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۰۰ھ میں جانشین ہوئے۔

حضرت سلطان حامد صاحب نے تفصیل سے ان کے حالات لکھے ہیں:

''فیض عام تھا اور قوی تاثیر رکھتے تھے۔ آپ کے مہمان خانہ اور لنگر کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے رہتے تھے۔ آپ نے آبادی سے باہر ایک تکیہ مقرر کر رکھا تھا وہاں مہمانوں کی تمام ضروریات مہیا رکھی جاتی تھیں۔ نیک، عالم اور شریف آدمیوں کو اپنے خاص ڈیرے پر ٹھہراتے۔'' (ص: ۲۱۹)

سلطان حامد مصنف ''مناقب سلطانی'' ان کے پوتے تھے۔ اس لیے اپنے والد سے اپنے جدِ امجد کے بارے میں بہت کچھ سنتے رہتے تھے چنانچہ ان کے معمولات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہمارے جد بزرگوار (حضرت حافظ سلطان محمد رحمۃ اللہ علیہ) رات کے وقت اکیلے جنگل میں یادِ الٰہی کیا کرتے اور صبح خانقاہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ پھر خانقاہ کے باہر روضہ منورہ کی دیواروں سے تکیہ لگا کر فیض رسانی کے سجادہ پر بیٹھتے۔ جلالِ حق کی ہیبت کے سبب، جو آپ کی پیشانی میں تھا، درویش اور فقیر اپنے حجروں میں چلے جاتے اور آپ ایک ایک کو اپنے حضور میں بلوا کران پر نوازش فرماتے اور ان کی ضروریات پر غور فرماتے۔ مسکینوں اور فقیروں پر اس قدر رحم فرماتے کہ دعا کا دستِ مبارک ہر ایک کے سر پر پھیرتے...... پھر جو نئے زیارت کرنے والے آتے اس کی جگہ مشرف ہوتے اور اپنی ضرورتیں اور حاجتیں عرض کرتے اور سنتے۔''

ساتھ ساتھ کھیتی باڑی کی نگرانی بھی جاری رہتی تھی۔ ''دست درکار، دل بایار'' پر عمل تھا۔ بائیس (۲۲) سال تک سجادہ نشین رہے۔

۴۔ چوتھے سجادہ نشین حضرت غلام باہو رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن دنوں سکھوں کے فساد کے دوران میں آپ کا خاندان خیر پور ٹامیوالی میں قیام پذیر تھا۔ آپ وہاں کے ایک گاؤں کونڈ میں ۱۱۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے آپ کا نام قطب الدین رکھا گیا مگر بعد ازاں آپ غلام باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ ابھی طفل شیر خوار تھے کہ حضرت خواجہ محکم دین سہرانی آپ کے والد مکرم

سے ملنے آئے۔ انہوں نے آپ کو ہاتھوں میں لیا اور فرمایا:

''یہ لڑکا نیک اور کامیاب ہوگا، اور اس کی عمر بہت زیادہ ہوگی۔''

آپ مصنف ''مناقبِ سلطانی'' حضرت سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے۔ اس لیے موصوف نے آپ کے حالات و مناقب نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔

آپ کا عہد برصغیر میں مرکزی حکومت کے دورِ زوال سے متعلق ہے۔ ہر طرف فتنہ و فساد تھا اور دہقانوں نے راہزنی اور چوری کا وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔ مگر ان حالات میں بھی آپ لوگوں کی مشکلیں دور کرنے کے لیے حکام کے ہاں جاتے رہے اور چوروں، ڈاکوؤں کی لوٹ مار کا سدِ باب کرتے رہے۔ اکثر آپ ملتان میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اسی لیے زیادہ تر وہیں کے لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے اور انہی میں سے کئی خلافت کے مستحق ٹھہرے۔

اپنے جدامجد حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کو بھی ظاہری علم چنداں نہ تھا۔ مگر علمِ باطن میں آپ کامل و اکمل تھے۔ آپ جو کام کرتے، رضائے خدا کے حصول کے پیشِ نظر کرتے تھے۔ عبادت اور ذکر و فکر میں نہایت درجہ استقامت رکھتے تھے۔ عند اللہ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی توجہ غایت درجہ تاثیر رکھتی اور دلوں کو پگھلا دیتی تھی۔ اللہ نے اپنے جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کو تسخیر و تصرف کی بے پایاں قوت بخشی تھی۔ آپ کے ان خصائص کی بناء پر آپ کو ''باہو ثانی'' کہا جاتا ہے۔

تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

حضرت سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے خلفاء کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔ ان میں سے ایک حافظ خیر محمد بھی تھے جو انگہ علاقہ سون سکیسر کے رہنے والے تھے۔

ایک فقیر حضرت شیر شاہ بھی وادئ سون سکیسر سے جا کر آپ سے بیعت ہوئے۔ ان کو حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے خاص تعلق و رابطہ تھا۔ ہر قسم کی ہدایت وہاں سے ملتی تھی۔ حضرت سلطان صاحبزادہ سلطان حامد مصنف مناقب سلطانی نے ان کی کئی کرامات بیان کی ہیں۔ عمر کے آخری سات سال صاحبزادہ صاحب موصوف کی درخواست پر درگاہ شریف پر بسر کیے۔ مگر گرمیوں میں وادئ سون سکیسر میں چلے آتے تھے جہاں موسم نسبتاً معتدل رہتا ہے۔ سردیوں میں پھر درگاہ پر چلے جاتے تھے۔ درگاہ شریف پر ہی وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۵۔ حضرت غلام باہو رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت سلطان حافظ صالح محمد سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت سلطان حامد رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے ان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"آپ بے حرص، بے ہوا اور بے طمع ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں صاحب اسباب و تسخیرات ہیں لیکن درحقیقت سب کچھ راہِ خدا میں دے دیتے ہیں۔ صوفی باصفا ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے موحد اور صاحب شرع و ورع ہیں۔ طریقت کے تمام رستے طے کیے ہوئے ہیں۔ حقیقتوں کے محقق ہیں۔ معارف کے عارف ہیں۔ معنوی رموز

کے نکتہ دان ہیں۔ علم لدُنی کے عالم، حافظ قرآن اور فصیح البیان ہیں۔ صاحب جمال اور صاحبِ قوت روحانی ہیں۔ فیض رسانی کے مسند نشین ہیں۔ جو کچھ آپ کے فیض منزل دل میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔" (صفحہ: ۲۴۰)

آپ کے بڑے صاحبزادے سلطان نور محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اہلِ اللہ میں سے تھے مگر انہوں نے ۳۹ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اگر زندہ رہتے تو وہ سجادہ نشین ہوتے۔

۶۔ دوسرے صاحبزادے حضرت حاجی سلطان نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ اوائل عمر میں اپنے بھائی حضرت سلطان نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کیا تھا۔

آپ سون سکیسر بھی تشریف لائے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آج گاؤں اوچھالی میں جہاں بنگلہ موجود ہے وہاں آپ خیمہ لگا کر گرمیوں کے دنوں میں قیام پذیر رہے تھے۔

۷۔ حضرت سلطان نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حاجی محمد امیر سلطان رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ (۱۹۳۱ء میں آپ نے وفات پائی) آپ شاعر بھی تھے اور قادری طریق میں حضرت سید ابراہیم آفندی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ان کی شان میں کچھ اشعار بھی آپ نے لکھے ہیں۔ انہی کے زمانے میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کی تزئین و تکمیل ہوئی۔ لاہور کے ایک ناشر نے جب حضرت سلطان العارفین کی

کتب کے تراجم کی اجازت چاہی تو محض اللہ کے لیے اپنے جدامجد کے فیض کو عام کرنے کی خاطر اسے اجازت مرحمت فرمائی۔ سون سکیسر بھی آپ تشریف لائے اور اوچھالی کا بنگلہ آپ نے ہی بنوایا تھا۔

آپ کے چار صاجزادگان تھے۔ (۱) حضرت حبیب سلطان رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت سلطان نور حسن رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت فیض سلطان اور (۴) حضرت سلطان غلام جیلانی دامت برکاتہ۔

آپ نے مرکزی گدی کا سجادہ نشین تو حضرت حبیب سلطان کو نامزد کیا اور شورکوٹ (مزار والدین حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ) کی گدی حضرت سلطان نور حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تولیت میں دے دی۔ آج کل اس گدی پر حضرت سلطان نور حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاجزادے سلطان عبدالمجید فائز ہیں (ان کے دیگر دو صاجزادگان حضرت صاجزادہ سلطان حمید اور حضرت صاجزادہ نذیر سلطان سے مجھے نیاز حاصل ہے۔ حضرت صاجزادہ سلطان حمید مرکزی حکومت میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں اور حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی اشاعت میں کوشاں ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اکیڈمی کے نگرانِ اعلیٰ ہیں۔)

۸۔ حضرت حبیب سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے جدِ امجد حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی مرکزی درگاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔

بہت سے تعمیرات کے کام جو آپ کے اسلاف نے شروع کیے تھے، آپ

کے زمانہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ لاولد تھے۔

۹۔ اس وقت حضرت سلطان غلام جیلانی صاحب (دامت برکاتہ و فیوضہ) سجادہ نشین ہیں...... چونکہ حضرت حبیب سلطان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد نہ تھی اس لیے شورکوٹ میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی گدی تو سلطان نور حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد کے پاس رہی (جیسا کہ ذکر ہوا، آج کل صاجزادہ سلطان عبدالمجید صاحب اس گدی پر بیٹھے ہیں) تیسرے بھائی صاجزادہ فیض سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سجادگی کا بوجھ اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ اس لیے چوتھے بھائی حضرت سلطان غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ زیبِ سجادہ مرکزی درگاہِ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔

آپ رسالہ روحی شریف کے عامل اور معرفتِ سلطانی سروری قادری کے حامل ہیں۔ نہایت کم گو ہیں مگر جس پر نظر التفات فرمائیں اسے ہدایت و تلقین سے ضرور نوازتے ہیں۔ بہت کم درگاہ سے باہر جاتے ہیں مگر جہاں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی اشاعت و ترویج کا معاملہ ہو وہاں ضرور پہنچتے ہیں۔

قلندر صفت، مست الست عارف فقیر ہیں۔ انہیں دیکھ کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مصرع یاد آتا ہے جو انہوں نے مردِ مومن کے خصائص بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

نوٹ

اب جو اس کتاب کا موجودہ ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے، مرکزی درگاہ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی سجادہ نشینی کی صورت حال یہ ہے کہ جناب سلطان غلام جیلانی کے انتقال (دسمبر ۲۰۰۱ء) کے بعد سجادہ نشینی کے دعویدار کورٹ میں چلے گئے۔ ابھی تک یہ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔ اس اثناء میں گورنمنٹ کی ایک مقرر کردہ کمیٹی درگاہ کے انتظامی فرائض سرانجام دے رہی ہے۔

سید احمد سعید ہمدانی



تعلیمات

فقر

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات کے لیے تصوف کی بجائے فقر کا لفظ بطور عنوان منتخب کیا۔

انہوں نے اپنی تعلیمات کے عامل کے لیے صوفی کی بجائے فقیر نام کو ترجیح دی۔

دراصل گو فقر تصوف کی تعلیم کا ہی خلاصہ ہے مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر لفظ کا کلچر جدا ہوتا ہے اسی طرح فقر اور تصوف کا کلچر ایک ہوتے ہوئے بھی متمیز اور جدا جدا ہے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کے ساتھ خلوت سے پیار، اندرون خانقاہ کے مشاغل میں انہماک اور سہل پسندی کے معنی وابستہ ہو گئے۔ اس کے برعکس فقر میں ٹھوس عملی اقدام کی جانب شدید رجحان کے معنی نمایاں ہوئے۔ خانقاہی نظام میں ماہ و سال کی گردش کے بعد صوفی کے عمل میں اتنی لچک پیدا ہو گئی تھی کہ کفر و اسلام اور حق و باطل کے درمیان کی لکیر مٹتی نظر آنے لگی تھی۔ تب خود صوفیاء حضرات نے اپنے لیے صوفی نام کو چھوڑ کر "فقیر" استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے حکیم شاعر نے بھی صوفی کے ذکرِ نیم شبی، مراقبوں اور سرور کو بے مقصد دیکھا مگر فقیر کے بارے میں کہا کہ:

فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ بھی ساری عمر خانقاہوں میں گھومے تھے اور اپنے وقت کے صوفیوں سے ان کے حجروں میں ملاقی ہوئے تھے مگر جب انہیں ''حکم ارشادِ خلق'' ملا تو انہوں نے تصوف کی اصطلاح استعمال نہیں کی بلکہ فقر کو پسند کیا اور اسی کے داعی بنے۔

فقیر نہ صرف ظاہری و باطنی اقدار کا امین اور وارث ہوتا ہے بلکہ اس کی تخلیق اور عملی قوتیں اس قدر فعال ہوتی ہیں کہ اقدار کی دریافت اس کے لیے ایک معمول کی بات ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس کی آزادہ روی اور آزاد خیالی دین اور روحِ پیغمبر کے دائرے کے اندر رہتی ہے۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تعلیمات کا موضوع فقر ہے اور فقر ایک ایسا اسلوب حیات ہے جو اسلامی تعلیمات کے مغز کو سامنے رکھتے ہوئے، قول و فعل و عمل سے اس کی ظاہری و باطنی اقدار کی پاسداری کرنے سے تشکیل پاتا ہے۔

مغرب سے کچھ کتابیں تصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی ہمارے ملک میں پہنچی ہیں اور جنہوں نے اس پر لکھا ہے، وہ یقیناً تصوف کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے کچھ عرصہ تک روایتی خانقاہوں میں بھی تربیت پائی ہے مگر انہوں نے تصوف کو تمام مذاہب میں مشترک خصوصیات کا حامل قرار دیا ہے، لیکن شاید یہ ان کی مجبوری ہے۔ چونکہ وہ اہلِ مغرب کو مخاطب کر کے بات کرتے ہیں اس لیے انہوں نے اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کی، کیونکہ اس سے آگے بڑھیں تو پھر تمیز اور فرق سے کام لینا پڑتا ہے۔ آگے فقر کا دائرہ شروع ہوتا ہے اور یہ دائرہ اسی بلند تر اسلامی اسلوبِ حیات کا ہے جس کے مبلغ و معلم و داعی حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ

اللہ علیہ تھے۔

فقر پر جب بات ہوتی ہے تو پھر تخاطب عوام الناس سے نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ گفتگو میں شامل کیے جاتے ہیں جو عزم وہمت اور حوصلہ وجرأت کی خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں، جن کا ظرف وسیع ہوتا ہے اور جو اپنے مقصدِ حیات کو عملی طور پر پا لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں...... ایک عام مسلمان جیسے بری بھلی زندگی بسر کرتا ہے وہ سب کو معلوم ہے مگر فقر کے کوچے میں قدم رکھنے والے تو اہلِ عزیمت ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں سے بڑھ کر قدم آگے رکھتے ہیں اور اس کی تمام شرائط کی پابندی کرتے ہیں۔

طلبِ صادق

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں فقر کے کوچہ میں قدم رکھنے کے لیے طلبِ صادق شرطِ اولین ہے۔ایک عام مسلمان سے اگر اوامر ونواہی کی پابندی میں کچھ کوتاہی بھی ہو جائے تو اُسے چنداں نقصان نہیں ہوتا،لیکن فقر میں تو چونکہ معاملہ عہد وعزیمت کا ہے، اگر یہاں پاؤں ڈگمگانے لگیں اور دل ڈانواں ڈول ہونے لگے تو فائدہ کی بجائے ضرر کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

فقیر چونکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذریعے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کا متمنی ہوتا ہے اس لیے اسے شروع سے ہی پختہ عزم کرنا پڑتا ہے کہ اس راہ میں مجاہدہ و ریاضت کی سختی سے گھبرائے گا اور نہ ہی زُہد وعبادت میں کوئی کمی پیدا ہونے دے گا۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اس کے ظاہری و باطنی منصب و مقام کی رعایت سے معاملہ کرتا ہے، چنانچہ فقیر کے ساتھ اللہ کا معاملہ خاص ہوتا ہے۔فقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کا وارث بننے کا خواہاں ہوتا ہے۔وہ اِن مواجید وکیفیات

سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے جو اتباع و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ثمرات کے طور پرامت کے فقراء کے لیے مقدر ہیں۔ یہ کوئی معمولی انعام نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کے لیے شدتِ طلب کس حد تک ہے۔

مقام و مرتبہ تو اللہ کی دین ہے، جسے چاہے دے۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں لیکن طلبِ صادق، خلوصِ نیت اور عزمِ صمیم تو فقیر کے اختیار میں ہے۔

فقیر پچھلے گناہوں سے توبہ کر کے خلوصِ نیت کے ساتھ فقر کی دنیا میں وارد ہوتا ہے لیکن یہ طلبِ صادق اس کے باطن سے ازخود پیدا ہوتی ہے۔ اس طلب کی شدت جب اسے مضطرب و بے قرار کر دیتی ہے تو پھر وہ کسی رہبر (شیخ کامل) کی جستجو میں نکل پڑتا ہے۔

شیخِ کامل

یوں تو بہت سے ایسے لوگ خانقاہوں اور زاویوں میں مل جائیں گے جو لوگوں کو خدا تک پہنچانے کے مدعی ہوں گے اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ ان میں سے اکثر و بیشتر ریاکار ہی ہوں۔ ان میں خاصی تعداد تصوف و سلوک کی راہ میں چلنے، گزرنے یا راہ میں رک کر رہ جانے والوں کی بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ کوئی سالک اگر چل نہ سکا یا کسی وجہ سے راستہ مسدود دیکھا تو وہ اپنی پچھلی کمائی کو سرمایہ بنا کر دوکان کھول کر بیٹھ گیا۔ ایسے لوگوں سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے۔ چونکہ انہیں ابتدائے کار کا تجربہ ہوتا ہے اس لیے ان کے مشورے بھی کارآمد ہو سکتے ہیں مگر وہ شخص جو فقر میں بہت آگے جانا چاہتا ہے اسے بالآخران لوگوں سے دامن چھڑا کر کسی ایسے شیخ کامل کے ہاں رہنمائی کے لیے ملتجی ہونا پڑے گا جو نہ صرف خود منتہی ہو بلکہ اللہ کی بارگاہ

سے دوسروں کو انتہائی درجات تک پہنچانے کا اِذن بھی رکھتا ہو۔ لہٰذا فقیر کو چاہیے کہ کسی ایسے شیخِ کامل کے ہاتھ چومے جو اس کی طلب و اہلیت کے مطابق اعلیٰ و ارفع مقامات تک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرے۔ اس کے لیے علامت یہ ہے کہ شیخ کامل ابتداء میں ہی طلبِ حق کو ولایت کی کیفیات سے آگاہ کر دیتا ہے اور طالب اپنے مرشد کو پہچان سکے یا نہیں، مگر مرشد ضرور طالب کو پہچان لیتا ہے اور پھر اسے اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کا معیار بہت اونچا دکھایا ہے۔ ان کے نزدیک غوث و قطب کے مراتب کے اولیاء اللہ بھی آدھے مرشد ہوتے ہیں۔ انہوں نے جا بجا قادری طریقہ کے مرشد کی فضیلت بیان کی ہے۔ ان کے ایسے بیانات کو ذرا دِقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جہاں وہ قادری طریقہ کے مرشد کے اوصاف بیان فرماتے ہیں، دراصل وہ ان کے اپنے اوصاف ہیں۔ وہ کسرِ نفسی کی بناء پر کھلم کھلا اپنی تعریف پسند نہیں فرماتے ہیں تو قادری طریقہ کی نسبت سے صاحبِ ارشاد ولی کی فضیلتِ خاص کا ذکر کر دیتے ہیں۔ مطلب ان کا یہی ہوا ہے کہ میرے پاس آؤ، میں تمہیں خدا کی طرف جانے کا راستہ بتاتا ہوں۔ اگر ان کے ان فرمودات کو عمومی بیانات بھی سمجھ لیا جائے، تب بھی بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ وہ ان کے قادری سروری طریقہ کے جانشین مشائخ سے کسی شیخ کے پاس جائیں اور بیعت کر کے روحانیت کی سیڑھی پر قدم رکھیں۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے جو ظاہری علامات شیخ کی بیان کی ہیں ان کو مشعل ہدایت بنا کر شیخ کو پہچانا جا سکتا ہے۔ شیخ میں چار باتیں ظاہر و باہر ہونی چاہئیں۔

اول: صدقِ مقال (بات کا سچا ہو)

دوم: اکل حلال (حلال روزی کھاتا ہو)

سوم: طاعتِ الٰہی (پابندِ شریعت ہو)

چہارم: ہمت و توفیق (ریاضت و مجاہدہ میں دوسروں سے ممیز نظر آئے اور دوسروں کو فقر میں مدد بہم پہنچانے کی ہمت رکھتا ہو۔

آپ نے کچھ باطنی علامات بھی بیان کی ہیں مگر وہ ہر ایک کو نظر نہیں آسکتیں البتہ بیعت کے معاً بعد یا کچھ دن صحبت میں رہنے کے بعد وہ بھی طالب پر منکشف ہونی چاہئیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کی جو وصال فرما چکے زیارت ہونے لگے۔ کشف و الہام کی کیفیات سے آگاہی ہو۔ نیز فرشتوں اور نبیوں اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہو۔ شیخ اگر باہمت ہو تو طالب کا وِجدان جاگ اُٹھتا ہے اور استعداد کے مطابق روحانی ترقی کے امکانات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جامع مرشد کی یہ پہلی نشانی ہے کہ پہلی ہی نگاہ میں جاہلوں کو عالم، عالموں کو معرفتِ الٰہی، عارفوں کو فقر کا انتہائی درجہ بخشے۔"

(کلید التوحید صفحہ ۸۵)

اگر طالبِ صادق کو ایسا مرشد مل جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے تئیں اس طرح اس کے سپرد کر دے، جس طرح کپڑا دھوبی کے اختیار میں ہوا ہے، یا مردہ غسال کے ہاتھ میں۔

ممکن ہے، تلاشِ بسیار اور سعئ مخلص کے باوجود کسی طالبِ حق کو شیخ نہ ملے تو پھر اسے چاہیے کہ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے کتب و رسائل کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہو۔ نیز کچھ عرصہ کے لیے حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

معتکف رہے اور اپنے تئیں کلی طور پر ان کی روحانیت کے حوالے کر دے۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی مدد کریں گے اور طالب اپنا مقصد پا لے گا۔

هر که طالب حق بود من حاضرم
ز ابتداء تا انتها یک دم برم
طالب بیا، طالب بیا، طالب بیا
تا رسانم روز اوّل با خُدا!

(جو شخص بھی حق کا طالب ہو، میں حاضر ہوں، اسے پل بھر میں ابتداء سے انتہاء تک پہنچا دیتا ہوں...... اے طالب آ، اے طالب آ، اے طالب آ!!! تاکہ میں تجھے پہلے ہی دن خدا تک پہنچا دوں)

مرشد کی ہدایات

مرشدِ کامل طالبِ حق کے کردار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اپنی توجہ، ہمت اور قلبی تلقین اور زبانی تعلیم سے اس کی ماہیت تبدیل کر کے اسے ایک اعلیٰ درجہ کا انسان بنا دیتا ہے۔ پرانے دور کے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال کیمیا سے دیتے تھے، جیسے تھوڑے سے سفوف سے پگھلا ہوا لوہا یا تانبا یا پیتل سونا بن جاتا ہے۔ اسی طرح مرشدِ کامل کی تھوڑی سی توجہ سے ایک سفلی انسان علوی صفات حاصل کر کے مردِ کامل کے رتبے پر متمکن ہو جاتا ہے۔ مرشد بتدریج طالب کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے۔

مرشد مرید کو اخلاص و عمل کی راہ پر گامزن کرتا ہے،

اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے،

ذکر و فکر کی تلقین کرتا ہے،

اور مرید کو اپنی صحبت سے مستفیض کرتا ہے۔

جب مرید یا طالبِ حق مرشد کی نگرانی میں اپنا روحانی نصاب مکمل کر لیتا ہے تو پھر اپنی دعا و برکت اس کے شامل حال کر کے اسے کسی کام پر لگا دیتا ہے، خواہ یہ کام کسی مقام پر محض موجودگی یا حاضری سے ہی متعلق کیوں نہ ہو۔ اب اس کی حرکات و سکنات مرشدِ کامل کی روحانیت کے توسط سے تابع مشیتِ ایزدی ہو جاتی ہیں۔

علم

صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علم کی اہمیت دوسروں سے کم نہیں۔ اگر وہ کبھی کبھی علم کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں تو صرف ان علماء کو دیکھ کر ایسا کرتے ہیں جن کا علم بے مغز ہے جو علم کی روح کو نہیں سمجھ سکتے اور عمل سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسے علماء کی مذمت فرمائی ہے جو "ساون بھادوں کے بادلوں کی طرح کتابیں اٹھائے پھرتے ہیں" اور جہاں "کھانے پینے کا سامان وافر پاتے ہیں وہاں زیادہ ذوق و شوق سے کلامِ پاک کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔" یہ فعل ایک طرح سے علم فروخت کرنے کے مترادف ہے، جبکہ علم ہرگز خرید و فروخت کی شے نہیں ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیم اور عمل سے

ثابت کیا کہ علم کی تحصیل ضروری ہے۔ ہم تک پہنچنے والی روایات سے ظاہر ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس آنے والے ایک نوخیز لڑکے سید محسن شاہ کو فقر اختیار کرنے سے پہلے ظاہری علم حاصل کرنے کی ہدایت کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹوں کو تحصیل علم کے لیے دور دراز مقامات تک بھیجا اور خود تمام عمر لوگوں کو علم و معرفت کی تلقین کرتے پھرے۔

فقر میں وہ اس حد تک علم کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک جو شخص علم کے بغیر فقیری کرے گا، اس کا انجام کفر اور دیوانگی پر ہوگا۔ روحانی تجربات و واردات سے دوچار ہونے والے جب ان کی تاویلات کو سمجھ نہیں پاتے تو گمراہ ہو جاتے ہیں۔

علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہُو

عمل

ایک صوفی نے لکھا ہے کہ دوسرے شعبہ ہائے فن میں تو پہلے علم ہے اور پھر عمل، مگر تصوف و سلوک میں پہلے عمل اور پھر علم ہے۔ اس نکتہ کا مطلب یوں سمجھ لیجئے کہ جس قدر اور جونہی علم حاصل ہو، اسی قدر معاً عمل فقیر پر فرض ہو جاتا ہے۔

فقیر اپنے شیخ سے ہدایت حاصل کرنے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی توقف نہیں کرتا۔ بلکہ فوراً اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حالات کی موافقت کا انتظار کرتا ہے یا اس کی نیت صحیح نہیں ہو پاتی تو اس کوچے میں خام ہے اور اس کی طلب ناقص ہے۔

فقیر جب عمل میں غیر معمولی استعداد پیدا کر لیتا ہے تو پھر اس کی دنیا بدل جاتی ہے، کیونکہ فقر میں عمل کی صورت محض تقلیدی نہیں ہوتی بلکہ فقیر کا ہر عمل تخلیقی نوعیت کا

ہوتا ہے۔ اس میں بے پناہ حرکت اور فعالیت ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ محض فلاسفی کی حد تک اپنے آپ کو دوسروں کے عمل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں لیکن فقیر نہ صرف واقعہ میں دوسروں کے عمل کو بھی اپنے ذمہ لے لیتا ہے بلکہ اپنے ظاہری و باطنی عمل سے مسلسل اپنے ماحول کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ اس کا ماحول یا دائرۂ اثر پورے ملک کے برابر بھی وسیع ہو سکتا ہے اور اگر وہ فقر کی انتہاؤں تک جا پہنچے تو اس کی تخلیقی حرکت سارے جہان میں مؤثر ہو سکتی ہے۔ یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ جن لوگوں نے اس امر کی تحقیق کی ہے وہ جانتے ہیں کہیں کوئی تحریک شروع ہوتی ہے یا انقلاب آتا ہے، اس کے پیچھے بہر صورت کسی نہ کسی درویش کے ظاہری و باطنی عمل کی تاثیر محرک کے طور پر کام کر رہی ہوتی ہے۔ جہاں بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہاں پتہ چلتا ہے کہ کسی شیطانی مداخلت نے اس کے قدرتی طریق کار کو راہِ راست سے ہٹا دیا ہے۔[1]

عشق

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

اس قسم کا تخلیقی عمل بغیر کسی جذبے اور شدید لگاؤ کے ممکن نہیں ہے۔ اس عمل کے لیے جو جذبہ درکار ہے وہ تقریباً ہر ایک میں تھوڑا بہت موجود ہوتا ہے مگر عام طور پر خوابیدہ رہتا ہے۔ شیخ کی توجہ و ہمت، اس کی تعلیم و تلقین، درویشوں کی صحبت و معیت، ذکر و فکر کی مشقوں اور مشائخ کبار رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ ذوق کی کتب کے مطالعہ سے یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے، یہ عشق کا جذبہ ہے۔

---

[1] Earnest Scott کی پوری کتاب The People of the Secret اسی موضوع پر ہے۔
The Octagon Press, London (1983)

جذبے کی بیداری کے بعد پھر کوئی ایسا چیلنج نہیں جو مردِ فقیر کے لیے نا قابل قبول ٹھہرے اور کوئی مشکل ایسی نہیں جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے، اور یہ سب کچھ وہ فطری انداز میں کرتا ہے۔

عشق کا جذبہ مردِ راہ میں ایسی تبدیلی اور حرکت لاتا ہے کہ بنظر ظاہر دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں اور جب وہ ان کی ناقص فہم کے تراشے ہوئے کسی سانچے میں ٹھیک نہیں بیٹھتا تو وہ اسے مجنون اور مسحور قرار دیتے ہیں۔ مگر مردِ فقیر ان کی کسی ملامت سے متاثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ بظاہر وہ ان کے ساتھ اسی معاشرے میں بستا رہتا نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کی سطح سے کہیں بلند ہو کر سوچتا اور عمل پیرا ہوتا ہے۔

فقراء کے لیے عشق فلسفیوں کی طرح کسی تجریدی اصول سے نہیں ہوتا جسے وہ خدا مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی واحد اصول کے گرد پوری کائنات گھوم رہی ہے اور پھر اس کی کارفرمائیوں کو دیکھ کر جھولتے اور جھومتے نظر آتے ہیں۔

درویش اور فقیر اللہ کو اس کی ذات وصفات کے ساتھ واحد و یکتا مانتے ہیں۔ اس کی رحمت، ربوبیت اور حکمت کو ہر ذرے میں کارفرما دیکھتے ہیں۔ ان کا قلب اس کے تمام اسماء وصفات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اور اس جذبہ کی نوعیت چونکہ تخلیقی ہوتی ہے لہٰذا یہ فقراء میں ایک محرک قوت بن کر ان کے حل و عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ وہی جذبہ حق جو تخلیق کائنات کا سبب بنا، ان پر بھی طاری ہو جاتا ہے۔ اسی کو وہ عشق کہتے ہیں اور خود اسی جذبے سے انہیں ایسا لگاؤ ہو جاتا ہے کہ انہیں گویا عشق سے عشق ہو گیا ہے۔

شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ عِلّت ہائے ما!

اے دوائے نحوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما!
جسمِ کاک از عشق بر افکاک شُد
کوہ در رقص آمد و چالاک شُد!

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

(خوش رہ، ہمارے اچھے جنون والے عشق! اے ہماری تمام بیماریوں کے طبیب! اے ہمارے تکبر اور عزت طلبی کی دوا! اے کہ تو ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے۔ خاکی جسم عشق کی وجہ سے آسمانوں پر جا پہنچا، پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہو گیا)

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ابیات میں عشق اور عاشق کی بہت تعریف کی ہے اور عاشق کی دو نمایاں صفتیں خاص طور پر بیان کی ہیں کہ اول تو وہ معشوق پر سے آنکھ نہیں اُٹھاتا اور دوسرے وہ مخلوقات کا خیال تک نہیں کرتا۔

ترکِ دُنیا

فقر میں ترکِ دُنیا سے مراد رہبانیت ہرگز نہیں ہے۔ فقیر کی عارضی خلوت گزینی کو جو اس کی روحانی تربیت کا جزو ہوتی ہے، رہبانیت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

ترکِ دنیا سے مراد مال و دولت اور دیگر متاعِ دُنیا کی محبت دل سے نکال کر اس کی جگہ اللہ کی محبت کو جگہ دینا ہے۔

ترکِ دنیا اُن علائق دنیاوی کا ترک ہے جو خدا سے غافل کر کے انسان کو حیوانیت کی سطح پر لے آتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے ایک حصے کو آدھی لعنت کا مستحق سمجھتے ہیں جو انسان کے مقصدِ پیدائش کی فراموشی کا باعث بنتی ہے اور دوسرے آدھے حصے کو برداشت کر لیتے ہیں کیونکہ اس سے روحانی تربیت کی صورت نکلتی ہے...... مردِ فقیر دنیا میں رہ کر ہی اخلاقی تزکیہ کرتا ہے۔ اللہ سے لَو لگاتا ہے۔ اُس کے احکام کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے قرب میں درجات پانے کی سعی میں منہمک رہتا ہے۔ اس لیے دنیا اس کے لیے ایک جائے امتحان کے طور پر ضروری ٹھہرتی ہے۔

لیکن حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ دنیا داروں کو پوری لعنت کا مستحق گردانتے ہیں کیونکہ وہ خدا کو بھول کر متاعِ دنیا اور اس کی رنگارنگی میں اپنی ذات کی پونجی لٹا بیٹھے۔ فرمایا:

اَدھی لعنت دنیا تائیں تے ساری دنیا داراں ہُو

پاسداریٔ شریعت

فقر اسلامی زندگی کا اعلیٰ اسلوب ہے اور فقیر مسلمانوں میں وہ چنا ہوا شخص ہے جو ظاہر و باطن میں اسلام کا صحیح نمائندہ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ وہ شریعت کے تمام قوانین و احترام کی شدت سے پابندی کرتا ہے۔ اُس میں اور ملائے مسجد میں فرق یہ ہے کہ فقیر اپنی فقیری میں کسی کم عمل مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور اُس کے ٹوکنے اور تربیت کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے۔ وہ محبت کی نرم آنچ سے لوہے کو پگھلانے میں مہارت رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کی نگاہ سے تربیت کرتا ہے اور فقیرانہ انداز میں اپنے عمل سے مثال قائم کر کے لوگوں کو پاسداریٔ شریعت پر راغب و آمادہ کرتا ہے۔

فقر میں جو درویش شریعت کی پابندی نہ کرے یا اُس کے خلاف بات

کرے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملعون اور مردود ٹھہرتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فقر کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ علمی و عملی تصوف کے بیان میں اس مقام پر رک نہیں جاتے جہاں تمام مذاہب کی مشترکہ سرّی روایات ایک نکتے پر مل رہی ہیں۔ یہاں صرف سرّی روایات کی وحدت کا احساس ہوتا ہے جو اگرچہ بظاہر دلفریب ہے مگر فقر کی حقیقت سے یہ مقام کہیں نیچے ہے۔

فقیر کی نظر ہمیشہ انسانِ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر رہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبوت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہوئے بھی ظاہری عبادات میں دوسروں سے آگے اور ممتاز نظر آتے تھے، یہی حال فقیر کا ہے۔ ذکرِ الٰہی میں اُس کے انہماک کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ استغراق کے سمندروں میں غرق ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ظاہر میں اس کا شعور بہر حال اسے شریعت کے ظاہری احکام و معاملات پر استوار رکھتا ہے۔

اخلاق: تزکیہ

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو لوگ اخلاق کے بغیر فقر کی بلندیوں تک پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں، جاہل اور خام ہیں۔ جب تک اخلاق کا مکمل طور پر تزکیہ نہیں ہو جاتا محبت الٰہی دل میں جڑ نہیں پکڑتی۔ ہر قسم کے اخلاقی رزائل تکبر، حرص، رعونت، انتقام، حسد، رقابت اور جنگ و جدل فقر کی نفی کرتے ہیں۔ جہاں یہ کمینہ خصائل ہوں گے وہاں فقر نہیں ہوگا۔ کامل اخلاقی تربیت اور پختگی کے بعد فقر کے کوچے میں قدم رکھا جا سکتا ہے۔

اخلاقی تزکیہ کے لیے مرشد کی ہدایت و صحبت دونوں ضروری ہیں اور فقر کے

مدارج طے کرنے میں بھی مرشد کی دستگیری لازمی ہے۔

بیداریٔ قلب: تصفیہ

درویشوں کی صحبت، مرشد کی توجہ اور تاثیر ہمت نیز کثرتِ ذکر سے انسانی ذات کا قریب ترین مرکز حرکت میں آجاتا ہے، جسے قلب کہتے ہیں۔ اس قلب کا تعلق ظاہری بدن کے اس حصہ سے ہے جس کو دل کہا جاتا ہے۔ اس دل پر توجہ مرکوز کرکے جب ذکر کیا جاتا ہے تو ذات کی کئی مخفی اور پراسرار قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر وِجدان کی آنکھ کھلتی ہے اور کشف و الہام سے ظاہری و باطنی امور فقیر پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔ تب یقین بڑھتا ہے اور علومِ وحی پر کامل ایمان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کامل ایمان ہے جس کے طفیل زندگی اور اس کے کاروبار کے معاملات میں فقری نکتۂ نظر یکسر بدل جاتا ہے اور مشیت و تقدیر کے اسرار کھلنے لگتے ہیں۔ پھر اتفاقات محض اتفاقات نہیں رہ جاتے بلکہ ان کی حکمتیں نظر آنے لگتی ہیں اور ہر کام اور ہر منظر میں اللہ تعالیٰ کی شان کا ظہور دکھائی دینے لگتا ہے۔

یہ سب اُس وقت ہوتا ہے جب فقیر انتشار ذہنی پر قابو پالیتا ہے۔ نیت کو صاف اور مضبوط کر لیتا ہے۔ عادت اور رسم کا غلام نہیں رہتا۔ ظاہر پر باطن کی فوقیت اور دونوں کی مطابقت جان لیتا ہے اور صراطِ مستقیم اس کے لیے روشن ہو جاتا ہے...... یہ سب بیداریٔ قلب کے ثمرات ہیں۔ فقیر اُنہی سے روشن ضمیر بنتا ہے۔

معرفت: تجلّیہ

قلب کی بیداری کے بعد ذات کے کئی اور مراکز تک فقیر کی رسائی آسان ہو

جاتی ہے۔صوفیاء نے انہیں رُوح، خفی، اَخفیٰ کے نام دیئے ہیں۔ یہ سب پُراسرار قوتوں اور روشنیوں کے سرچشمے (لطائف) ہیں۔ یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کے بھید کھلتے ہیں۔علومِ دین کی ایسی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ فقیر کتابوں کے اوراق کے مطالعہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔اُسے مشکوٰۃ نبوت سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے کہ وہ خود کتاب بلکہ صاحبِ کتاب ہو جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معرفت گشته است بر من انجمن۔

یعنی معرفت کے نکات نے ستاروں کے جھرمٹ کی طرح میرے
قلب ورُوح کو روشن کر رکھا ہے۔

ظاہری علوم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں، وہاں سے باطنی معرفت کی ابتداء ہوتی ہے۔بڑی ریاضتوں کے بعد فقیر معرفت وآگاہی سے شرف یاب ہوتا ہے۔

فقراء

جب فقر میں تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر فقراء کو کوئی نہ کوئی کام یا منصب تفویض ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے سپرد ایسے کام کرتا ہے جن کی حکمتیں وہ خود ہی بہتر طور پر جانتا ہے۔خود فقیر کو علم ہوتا ہے کہ یہ کام اس کے سپرد ہے اور وہ جب اس کام کو سرانجام دینے میں مشغول ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، حالات اُس کے موافق ہو جاتے ہیں۔اس کی محنت میں برکت شامل ہو جاتی ہے اور کامیابی ہو یا ناکامی اُسے دیر تک پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔وہ قضا وقدر کو رد کرنے کی دُعا نہیں کرتا بلکہ ہر وقت قضا وقدر کے اندر چھپی ہوئی رحمت اور لطف وکرم کا

طلبگار رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی اُسے اپنی رحمت و برکت سے محروم نہیں کرتا۔ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا نَسْئَلُكَ رَدَّ الْقَضَاءِ وَ لٰكِنْ نَسْئَلُكَ اللُّطْفَ فِيْهِ۔

اے اللہ ہم قضاو قدر کے رد ہونے کا سوال نہیں کرتے، لیکن اس کے اندر پوشیدہ رحمت کا سوال کرتے ہیں)۔

فقراء کھلم کھلا ظاہر ہو کر بھی کام کرتے ہیں اور چھپ کر بھی اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ چھپ کر کام کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کا اعلان اور پبلسٹی نہیں کرتے بلکہ خاموشی سے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ یہ سب ان کے کام کی نوعیت پر منحصر ہے اگر وہ چاہیں تو واعظین، حکام، مدرسین یا کسی کو بھی اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں اور خود پیچھے رہتے ہیں۔

اکثر وہ خود معلم بن کر خانقاہوں میں بیٹھتے ہیں اور لوگوں کی روحانی تربیت کرتے ہیں۔ معاشرے کے ہر طبقے میں کوئی نہ کوئی فقیر حاضر رہتا ہے جسے بعض اوقات کسی خاص مقام پر یا کسی خاص گروہ میں موجودگی کا حکم ہوتا ہے...... غرضیکہ حکومت کے بلند ایوان ہوں یا مزدوروں کی جھونپڑیاں، نیکوکاروں کی بستی ہو یا برے لوگوں کا جمگھٹا، تہذیب کے مراکز ہوں یا گنواروں کے گاؤں، کوئی جگہ فقراء سے خالی نہیں ہوتی۔ کوئی نہ کوئی فقیر ہر جگہ لوگوں کی دستگیری کے لیے موجود ہوتا ہے۔ وہ عام لوگوں کی طرح گاؤں یا محلوں میں رہتا ہے۔ معاشرے میں کسی نہ کسی پیشے سے بھی وابستہ رہتا ہے۔ اپنے آس پاس لوگوں سے معاشرتی تعلقات بھی رکھتا ہے مگر اس کی بیداریٔ قلب کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اس کی طرح نظر و معرفت حاصل ہوتی ہے۔ عام لوگ بھی غور کریں تو اُسے پہچان لیں مگر ان لوگوں سے اُس کی روحانی حقیقت

اوجھل رہتی ہے جو خود غرض اور خود پسند ہوتے ہیں اور دوسروں کا استحصال کرنا اُن کا وطیرہ ہوتا ہے۔

کچھ مزید مطالعہ کریں گے اور غور وخوض سے کام لیں گے تو ہر انقلاب اور ہر تحریک کے پیچھے کوئی نہ کوئی فقیر نظر آئے گا۔ وہ گدڑی میں ملبوس ہو یا اس نے شاہانہ لباس پہن رکھا ہو مگر ہوگا ضرور۔ بس صرف ہر ایک اُنہیں پہچان نہیں پاتا۔ وہی پہچانتے ہیں جنہیں اُن کی پہچان ہوتی ہے، جو نیت اور دل کے صاف ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی نیکی کے جذبات رکھتے ہیں۔

بر خیز که فقر را جهانے دگر است
انجم دگر است آسمانے دگر است
در بحرِ وجودِ ما که طوفان خیز است
کشتی دگر است بادبانے دگر است

(گرامیؔ)

(اُٹھ کہ فقر کا جہان دوسرا ہے، آسمان اور ہے، ستارے اور ہیں۔
ہمارے بحرِ وجود جو طوفان خیز ہے، کشتی بھی اور ہے اور بادبان بھی اور ہیں)



پنجابی شاعری

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی نثر میں تصوف کے موضوع پر لکھا ہوا کتابوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ چھوڑا ہے، ان کتابوں میں تصوف و سلوک پر عمل کرنے والوں اور اس کے بارے میں تحقیقی سوچ رکھنے والوں کے لیے گراں بہا دولتِ فکر و نظر موجود ہے لیکن حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ انہوں نے فارسی میں بھی شعر کہے اور پنجابی میں بھی۔ پنجابی میں سی حرفی کی فارم میں اُن کے ابیات مقبولِ خاص وعام ہیں۔

جناب راجا رسالو کا یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے ابیات کا عوام کے دلوں تک ان کے فقیرانہ خیالات و افکار کے ابلاغ میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جب بعد میں فارسی کا عمل دخل کم ہوا تو ابیات کی تازگی اور زیادہ نمایاں اور پسندیدہ ٹھہری کیوں کہ یہ ابیات سیدھی سادی پنجابی زبان میں تھے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ دوآبہ کی پنجابی بولنے والوں کو بھی اپنے قریب معلوم ہوتی ہے اور سرائیکی والے بھی اسے اپنی زبان سمجھتے ہیں۔ زبان کی اس صفت کی وضاحت کے لیے ایک بار پھر ان کے والدین کی پیدائشی سرزمین وادیٔ سون سکیسر کے حوالے سے بات کرنی پڑے گی۔

وادیٔ سون میں اور اُس کے آس پاس ''اعوان کاری'' کے علاقوں مین ایک ایسی زبان بولی جاتی ہے جس پر بیک وقت کئی بولیوں کا اثر ہے۔ مثلاً علاقہ دھن

اور اُس کے ساتھ ملحقہ پوٹھوہار کی بولی، اٹک کی ہندکو سے متاثر بولی اور سرائیکی وغیرہ۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے پیدائش کے بعد یہی زبان اپنے گھر میں سنی تھی۔ پھر ہوش سنبھالا تو جھنگ میں بولی جانے والی زبان کا لب ولہجہ کانوں میں پڑا۔ بس انہی دو علاقوں کی بولیوں کا ملا جلا لہجہ اور زبان کا عکس حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے ابیات میں نظر آتا ہے۔ اب اسے آپ سرائیکی کہئے یا کچھ اور، مگر سچی بات ہے کہ اس پر کوئی لیبل نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ اب بھی یہ پنجابی شاعروں اور ادیبوں کے لیے مثالی اور معیاری نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔ ایسا کرنے سے عام پنجابی اور سرائیکی کے نام نہاد فرق کا معاملہ بھی ختم ہو جائے گا۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات کو ہی اپنے ابیات میں سمو کر پیش کیا ہے۔ ان کے کلام پر ''حکم ارشادِ خلق'' کی گہری چھاپ موجود ہے۔ وہ اپنی شاعری میں بھی فقیری و درویشی کے مربی و معلم ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم نے اپنے مرتب کردہ ''کلامِ باہو'' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقر کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ شاید یہ ان کا ''کمپلیکس'' ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم طبعاً تو درویش صفت تھے مگر مسلکاً اُن کا درویشی سے کوئی تعلق نہ تھا لہٰذا وہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی معلمانہ شان کی قدر نہ کر سکے۔

سلطان صاحب حلقۂ فقراء میں مرشدِ کامل ہیں اور اپنے ابیات میں بھی انہوں نے اپنی اس حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے فقر کے موضوعات کو ہی ابیات میں بیان فرمایا ہے اور اس انداز میں خوش نوائی کی ہے کہ ابیات پڑھنے والے پر بھی فقیری کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس لحاظ سے تو اُن کی یہ خصوصیت اور زیادہ قابلِ تعریف ہو جاتی ہے۔

اب تک ابیات پر دو سطح پر کام ہوا ہے۔ جناب صاحبزادہ سلطان الطاف علی صاحب نے بڑی محنت سے تمام ابیات جمع کیے اور شرح لکھی۔ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم نے ابیات کے وزن پر تحقیقی کام کیا۔ مگر ان کا کام کچھ زیادہ سود مند نہ ہو سکا۔ کیوں کہ وہ سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور اشعار میں اس کی جھلک کے بارے میں کوئی ہمدردانہ رویہ نہیں رکھتے تھے مگر جہاں تک اُن کے کام کی نوعیت کا تعلق ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔ اب بھی یہ کام کسی محقق کی تحقیق و اصلاح کا منتظر ہے۔ محمد شریف صابر اور ممتاز بلوچ نے بھی قابل قدر کام کیا ہے۔

ابیات پر ایک مبسوط نوٹ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔[1] اس لیے یہاں پہ انہی سطور پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کے آخر میں یہ جملے ہیں:

> "قوالی کی محفل ہو یا کہیں بھی کوئی مترنم آواز، ہُو کی تاثیر میں ڈوبے ہوئے یہ ابیات سن کر کون سا دل ہے جو حل نہیں جاتا۔ ان میں جذبہ کی گرمی بھی ہے اور تخیل کی لطافت بھی، الفاظ کی معنی آفرینی بھی ہے اور لحن کی تاثیر بھی۔"



---

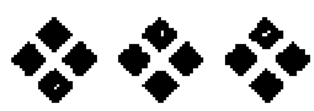
[1] باب ۸ "ابیات" (احوال و مقامات حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۴۹، ۱۶۸)

ارشاداتِ حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ [1]

جائیکه من رسیدم امکان نه هیچ کس را
شهباز لا مکانم آں جا کجا مگس را
عرش و قلم و کرسی کونین ره نیابد
افرشته هم نه گنجد آنجا نه جاهوس را

(جہاں تک میں پہنچا، وہاں کسی شخص کے پہنچنے کا امکان نہیں ہے میں لامکاں کا شہباز ہوں، وہاں مکھیوں کی کہاں جگہ ہے؟ وہاں تو عرش وقلم وکرسی اور دونوں جہاں راہ نہیں پاتے، فرشتے کی بھی گنجائش نہیں وہاں ہوس کے لیے کوئی جگہ نہیں)

(کلید التوحید صفحہ ۱۱)



میں شہباز کراں پروازاں وچ افلاک کرم دے ہُو
زباں تاں میری کن برابر موڑاں کم قلم دے ہُو
افلاطون ارسطو جہیے میرے اگے کس کم دے ہُو
حاتم جہیے لکھ کروڑاں در باھو دے منگدے ہُو

---

[1] سب حوالے جو "ارشاداتِ حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ" کے باب میں دیئے گئے ہیں وہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل وکتب کے ان اردو تراجم سے دیئے گئے ہیں جو "اللہ والے کی قومی دکان، لاہور" نے شائع کیے۔

(میں شاہباز ہوں اور کرم کے آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوں، میری زبان سے نکلی ہوئی بات "کُن" کے برابر ہوتی ہے۔ میں "قلم" کے کام پلٹ سکتا ہوں۔ افلاطون اور ارسطو جیسے حکماء میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، حاتم جیسے کروڑوں دولت مند سردار باھو کے در کے بھکاری ہیں!) (ابیات)



اے طالب حق!

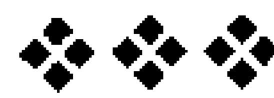
میں نے اپنی باطنی توفیق سے ہر علم کی مکمل طور پر تحقیق کی ہے۔

میں لاف زن نہیں ہوں بلکہ فقرِ کامل ہوں اور اللہ کے فضل سے دونوں جہان کی ہر چیز کل و جز مجھ پر عیاں ہوگئی ہے۔

کوئی چیز مجھ سے مخفی نہیں! (نور الہدیٰ صفحہ ۱۵۵)



ہر حال میں آدمی کو چاہیے کہ صاحبِ علم و شعور ہو۔ (نور الہدیٰ صفحہ ۱۶۳)



علم جان مونس ہے

جاہل فقیر شیطان کا مصاحب ہے۔ (قرب دیدار صفحہ ۳۱)

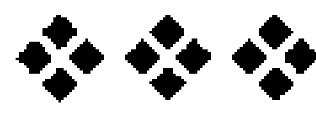


عارف جو بے علم ہو، اندھا ہے اور عالم جسے معرفت نہ ہو کسی طرح بھی حق تک نہیں پہنچ پاتا......

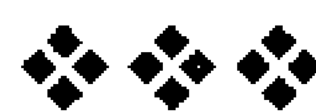
علم اور فقر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ (محک الفقر خورد صفحہ ۳۶)



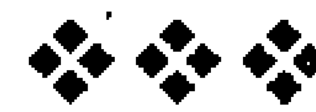
علم نصیحت اور الٰہی رازوں کی معرفت کے لیے ہوتا ہے۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۹)



اول طالب کو چاہیے کہ علم حاصل کرے، اس کے بعد فقر کا ارادہ کرے ورنہ جہالت سے اس راہ میں گمراہ ہو جائے۔ (مجالسۃ النبی صفحہ ۱۳)

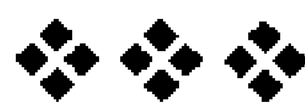


علم ہمیشہ عمل کے ساتھ ہی مفید ہوا کرتا ہے۔ (مجالسۃ النبی صفحہ ۱۴)



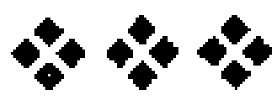
علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو
سَے ورہیاندی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ہو
غفلت کنوں نہ کھلئیں پردے دِل جاہل بت خانہ ہو
میں قرباں تنہاں توں باہو جنہاں ملیا یار یگانہ ہو

(علم کے بغیر جو شخص فقر اختیار کرتا ہے دیوانہ اور کافر ہو کر مرتا ہے۔ سینکڑوں سال عبادت کرے تب بھی اللہ سے بیگانہ رہتا ہے۔ اُس کے غفلت کے پردے نہیں کھلتے۔ دِل جہالت کا بت خانہ رہتا ہے۔ باہوؔ میں ان کے قربان جاؤں جنہیں بے مثل یار مل گیا) (ابیات)



اے طالب!

جس کسی نے علم کو جانا اور عمل نہ کیا، وہ شخص نامراد ہے اور جس نے علم کو جانا اور عمل کیا، وہ مردِ دانا ہے۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۷۵)

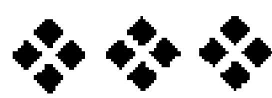


علم عمل کے لیے ہے، عمل کے بغیر علم بانجھ عورت کی طرح ہے۔

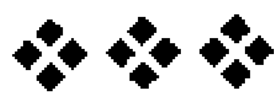
(کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۹۰)



علماء باعمل اور فقراء کامل دونوں گروہ بزرگ ہیں، جو شخص ان کا دامن پکڑتا ہے، وہ دونوں جہان میں پریشان نہیں ہوتا۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۸۱)



جو شخص علم کے ذریعہ نفسانی لذات حاصل کرے، وہ بمنزلہ سانپ ہے اور جو علم کے ذریعہ قلب اور روح کو سنوارتا ہے، وہ عالم باعمل ہوشیار لائق دیدار ہے اور عالم باللہ، عالم فی اللہ اور عالم ولی اللہ اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا شخص علم کے مرتبہ سے بڑھ کر اولیاء اللہ کے مرتبے کو پہنچتا ہے اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اسم جلّ شانہٗ میں غرق ہو جاتا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۵)

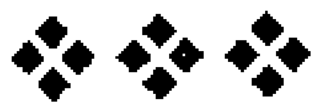


وہ کون سا علم ہے جس کے سبب شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ طمع اور حرص کا علم ہے جو پہلے وہ نفس کو سکھاتا ہے اور نفس اس کے سبب بے دین ہو جاتا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۶)

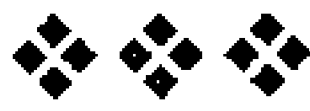


شیطان کو علم نے کہاں تک پہنچایا؟ بدبختی اور لعنت میں۔ یہ علم روح کے خلاف ہوتا ہے اور اُس کے ذریعہ شروع میں ہی نفس خدا سے باز رہ جاتا ہے اور بے یقین ہو جاتا ہے۔

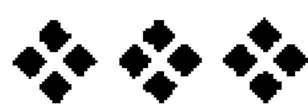
بایقین علم تو شاہراہ ہے اور علم بے معرفت گمراہ کنندہ ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۶)



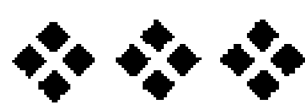
عارف لوگ جو حق کو پالیتے ہیں، ان کی یہ علامت ہے کہ وہ عالم ربانی ہوتے ہیں۔ عالم زبانی میں یہ جرأت، حوصلہ اور طاقت نہیں کہ عالم ربانی کا مقابلہ کر سکے۔
(عقل بیدار صفحہ ۵۸)



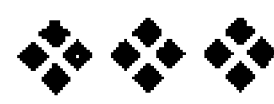
وہ علم نہیں جو دنیا کی حرص ہٹا کر آخرت کا خوف پیدا نہ کرے اور غفلت سے الگ کر کے ہشیاری، خدا ترسی اور شب بیداری کی طرف راغب نہ کرے اور حرام و حلال کے درمیان فرق نہ بتائے بلکہ رشوت خوری، ریاکاری اور جھوٹ بولنے پر اکسارے اور اپنی جان کے ساتھ ہی انصاف نہ کرے اور احکام دین کو بھلا دے اور روپیہ پیسہ اکٹھا کرنے میں کوشاں رہے۔ (محک الفقر خورد صفحہ ۳۵)



ظاہری علم چراغ کی طرح ہے جس سے جہان کے ہر ایک گھر میں روشنی ہوتی ہے اور باطن علم بمنزلہ آفتاب ہے جس سے سارا جہان روشن ہے۔
عالم باللہ عارف آفتاب کی طرح ہے جو روز بروز طلوع ہو کر تاریکی کو دور کرتا ہے۔
فقیر آفتاب ہے اور دنیا تاریک۔ (امیر الکونین صفحہ ۵۸)



میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو معرفت، قرب اور دیدار کی خاطر علم پڑھتا ہو اور اُس کی غرض اُس سے روشن ضمیری اور بیداریَ قلب ہو بلکہ وہ (علماء ظاہر) دنیاوی رزق اور روزگار کی خاطر پڑھتے ہیں۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۱۳)



علماء تو علم مردوں سے سیکھتے ہیں اور فقراء اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔

(محبت الاسرار صفحہ ۱۴)



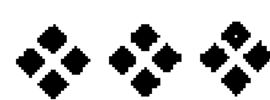
واضح رہے کہ علماء وارثِ انبیاء اور صاحبِ ادب ہیں اور فقراء صاحب حکم جو شخص علماء وفقراء کا دوست ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ علم لعلوں کی کان ہے۔ علم ہی سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے علم ہی سے وصال نصیب ہوتا ہے، علم ہی سے مشکلات آسان ہوتی ہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

(اسرارِ قادری صفحہ ۳۱)



جو عالم بے معرفت ہے، نادان ہے۔

جو لوگ ساری عمر (صرف) مطالعہ میں بسر کر دیتے ہیں۔ وہ نادان بچے ہیں جو مرتے وقت ملک الموت کو دیکھ کر سب علم بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک حرف بھی یاد نہیں رہتا۔ (تیغ برہنہ صفحہ ۱۴)

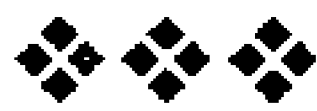


عالم بے عمل اور فقیر بے توکل وصبر سے خدا محفوظ رکھے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۶۰)



حافظ پڑھ پڑھ کرن تکبر مُلّاں کرن وڈیائی ہُو
ساون ماہنہ دے بدلاں وانگوں پھرن کتاباں چائی ہُو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا اُتے پڑھن کلام سوائی ہُو
دوہیں جہانیں مُٹھے باہُوؔ جنہاں کھادی ویچ کمائی ہُو

(حافظ قرآن پڑھ پڑھ کر تکبر کرتے ہیں، مُلّا لوگ بڑائی میں پڑ جاتے ہیں، ساون کے مہینے کے بادلوں کی طرح کتابیں اٹھائے پھرتے ہیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں وافر دیکھتے ہیں، زیادہ کلام پڑھتے ہیں۔ ان کے دونوں جہان گئے جنہوں نے اپنی کمائی بیچ کھائی۔) (ابیات)

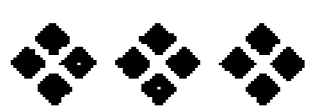


عالم کلام سن کر علم حاصل کرتے ہیں اس لیے صاحب شنید ہیں۔ فقیر دِل کی آنکھوں سے دیکھ کر معرفت حاصل کرتے ہیں اس لیے صاحب دید ہیں۔

(محک الفقر کلاں صفحہ ۲۰۲)



کامل اور دانا وہ ہے جو ظاہر میں اوراق کا مطالعہ کرتا ہو اور باطن میں ذکرِ الٰہی کے شغل میں غرق ہو۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۳۰۰)



علمائے دین دنیا کے چراغ کی طرح ہیں اور فقراء آفتاب کی طرح ہیں۔ فقیر

آفتاب ہے جو جاہل کو ایک نظر میں علم عطا کرتا ہے اور عالم کو عارف کر دیتا ہے۔

(نورالہدیٰ خورد صفحہ ۲۵)



علماء کی انتہا فقراء کی ابتداء ہے۔ (کلید جنت صفحہ ۶۰)

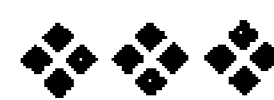


جو شخص اولیاء اللہ کی تصانیف کا ہمیشہ مطالعہ کرتا رہے گا، اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہ ہوگی اور ان کی تصانیف کی برکت سے ذکر، ارادت اور حیاتِ دل نصیب ہوگی۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۶۹)

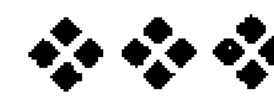


جو عالم عامل، زندہ دِل اور صاحبِ ذکر ہے، وہ کامل فقیر ہے۔

(نورالہدیٰ خورد صفحہ ۲۳)



اللہ کی راہ کو نہ علم سے تعلق نہ جہالت سے واسطہ، یہ تو محض محبت اور اخلاص کی راہ ہے۔ (نورالہدیٰ خورد صفحہ ۹)



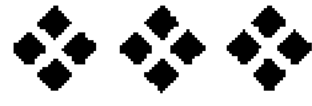
جو صاحب درد ہے، وہی مردِ خدا ہے

اور کامل کی توجہ بے مثل ہے۔

دِل وہی ہے جو مردانِ خدا کی تاب سے آب ہو جائے نہیں تو پانی اور مٹی کا ایک لوتھڑا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۱۳)

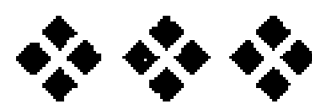


جو شخص قربِ الٰہی کے احوال سے بے خبر ہے، خواہ وہ عالم بھی ہو تو جاہل ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۱۴)

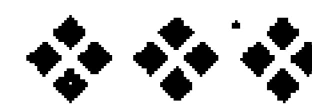


فقر کی ابتداء اور انتہا سراسر معرفت قرب اور حضوری ہے۔

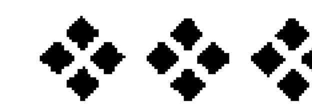
(عقل بیدار صفحہ ۱۴۴)



فقر کی ابتداء یہ ہے کہ بدن پر شریعت کا لباس پہنے اور احوال حقیقت سے واقف ہو کر معرفت میں غوطہ لگائے دم بدم صاحب کرم و جود ہو۔ مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محرم ہو اور فنافی اللہ ہو جائے۔ (عقل بیدار صفحہ ۵۴)

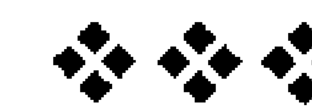


واضح رہے کہ علم سونے چاندی اور نقدی کی طرح ہے اور فقر و معرفت فولادی تیغ کی طرح ہے۔ پس جو کام تلوار سے نکل سکتا ہے وہ سونے چاندی سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۶۷)



ربانی کلمات پڑھنے سے نفس مردہ اور قلب زندہ ہو جاتا ہے۔

(توفیق ہدایت صفحہ ۶۵)



اے عالم باعمل، تو کامل فقیر کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھ کیونکہ فقیر احکم الحاکمین کے حکم سے صاحبِ حکم ہوتا ہے۔ فقیر کا سوال حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ ہے اس میں عین حکمت ہے۔ (محکم الفقراء صفحہ ۲۸)



نماز کے تارک فقیر کو حق تعالیٰ کی معرفت کی بو بھی نہیں پہنچتی خواہ وہ تجھے چاند سے لے کر مچھلی تک سب کچھ دکھادے۔ یہ محض استدراج اور گمراہی ہے۔

(محکم الفقراء صفحہ ۲۸)



جو باطن ظاہر کے موافق ہے، برحق ہے کیونکہ منجانب اللہ ہے اور جو باطن ظاہر کے مخالف ہے وہ باطل ہے۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۱۰)



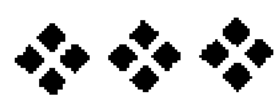
جاہل سے بڑھ کر جہان میں کوئی خوار و ذلیل او برا نہیں ہوتا۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۸)



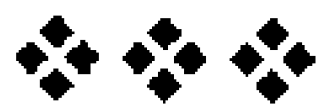
اہلِ بدعت فقیر شیطان کا مرید ہے اور صاحبِ شریعت فقیر اللہ تعالیٰ سے یگانہ ہے۔

اہلِ بدعت فقیر باؤلے کتے کی طرح ہے۔ ایسے لوگ گو فقر کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ فقیر نہیں بلکہ ٹکر گدا اور نفس کے کتے ہیں۔ باطن میں معرفتِ الٰہی سے محروم روزی کے لیے سائل بنتے ہیں۔ (امیر الکونین صفحہ ۷)

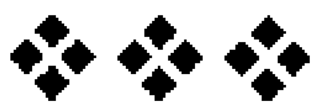


واضح ہو کہ جو فقیر خلافِ شرع شریف ہو، اُس کا باطن بھی باطل ہے اور اُس کا

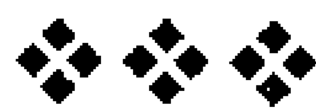
دعویٰ جھوٹا اور بے اعتبار ہے۔ (نور الہدیٰ صفحہ ۷۶)



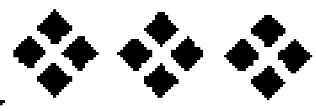
جو شخص امر معروف بجا نہیں لاتا وہ مردود اور خبیث ہے۔ (کلیدِ جنت صفحہ ۲۹)



جس طریقہ کو شریعت رد کردے، وہ بے دینی ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۷)

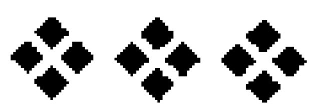


مردانِ خدا پہلے نفس کو درست کرتے ہیں پھر معرفت وحضوری کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اس کے بعد انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ مجاہدہ وغیرہ سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ (امیر الکونین صفحہ ۷)

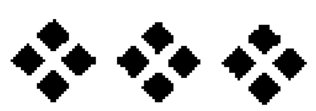


جو فقیر کامل اور نامور عالم بے ریا ہو اُس کا ادب ملحوظ رکھو خواہ اُس کی تصویر دیوار پر ہی کیوں نہ بنی ہو۔

اگر تو عقل مند ہے تو تجھے ایک ہی بات کافی ہے اور اگر احمق ہے تو نفس کی قید میں رہ، اہل نفس مکھی کی طرح ہیں۔ خواہ وہ اڑیں بھی تو شہباز کو نہیں پہنچ سکتے۔
(امیر الکونین صفحہ ۳۴)



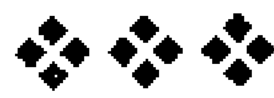
یقیناً استقامت کرامت سے بہتر ہے۔ (محکم الفقراء صفحہ ۱۰)



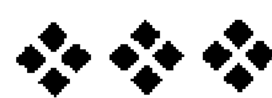
جو دِل محبت سے پر درد اور نور سے گرم ہے وہ دنیا اور اہلِ دنیا سے سرد ہے۔
(محکم الفقراء صفحہ ۲۱)



مرد وہ ہے کہ جس حال میں ہو، اپنے نفس کا خود انصاف کرے، نفس پرست سارے ہی ہیں۔ خدا پرست کوئی کوئی ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ (اسرارِ قادری صفحہ ۵۴)



جس راہ کو شریعت نے رد کر دیا، وہ کفر ہے۔ (مجالسۃ النبی صفحہ ۱۳)



اہلِ حضور خاموش ہیں اور اسی خاموشی کے عالم میں حضوری میں ہیں اور خونِ جگر پیتے ہیں۔

لیکن بے عقل جوش و خروش میں خود فروش ہیں۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۳)



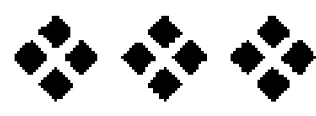
فقیر کا وجود کان ہے اور اُس کی باتیں جو وہ کُنہ، وغیرہ کی بابت کرتا ہے بیش بہا موتی ہیں۔

پس اے احمق حیوان پریشان اُس کی جلالیت کے قہر سے ڈر، کیونکہ فقیر کا قہر اللہ تعالیٰ کے قہر کا نمونہ ہے اور فقیر کا کلام مشکل کشا ہے۔

فقیر کی توجہ، نظر، نشست و برخاست اور اُس کا ہر ایک کام حکمت سے خالی نہیں کیونکہ حکیم کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۵)

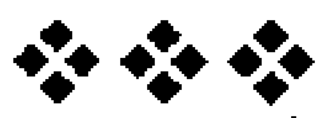


دل اور قلب کی ولایت ملک لایزال ہے اور دونوں جہان دل کے مقابلے میں بمنزلہ جزو ہیں۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۵)

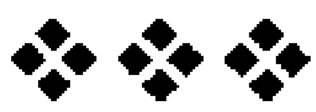


دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جان ہو
وِچے بیڑے وِچے جھیڑے وِچے ونجھ موہانے ہو
چوداں طبق دلے دے اندر جتھے عشق تمبو ونج تانے ہو
جو دل دا محرم ہووے باہوؔ سوئی رب پچھانے ہو

(دِل سمندروں کی مانند گہرے ہوتے ہیں، دِلوں کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ان سمندروں میں کشتیاں اور ملاح بھی موجود ہیں، چودہ طبق دل کے اندر خیمے کی طرح تنے ہوئے ہیں۔ باہو! جو دِل کا محرم ہو، وہی رب کو پہچان سکتا ہے۔)(ابیات)

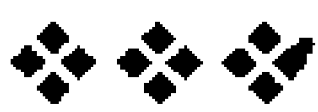


فقیر اگرچہ ظاہر میں محتاج معلوم ہوتا ہے لیکن اصل میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر قابض، عارف، ولی اللہ اور عالم باللہ ہوتا ہے۔(عقل بیدار صفحہ ۳۷)

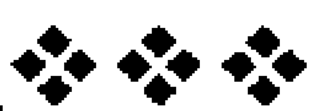


رُستگاری کا مرتبہ راستے کی راستی ہے اور کم آزاری راہبر اور رہبری کا وسیلہ، اور دِل آزاری سراسر گناہ ہے۔

اہلِ حضور ہر مرتبہ سے آگاہ ہے۔(عقل بیدار صفحہ ۳۹)



اگر فقیر مرتبہ چاہے تو اُسے اس قدر قوت حاصل ہے کہ وہ ظل اللہ بن سکتا ہے۔
(عقل بیدار صفحہ ۷۱)

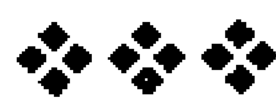


جن اولیاء اللہ کا تصرف بے شمار غیبی خزانوں پر ہے اُن کی قید میں مشرق و مغرب تک ہر ایک چیز ہے۔

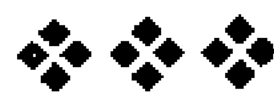
ولی اللہ ظل اللہ ہوتا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۰۹)



جو جس قدر عارف ہے، اُسی قدر زیادہ عاجز ہے کبھی امید میں ہوتا ہے کبھی خوف میں۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۰۹)



غنی اور لا یحتاج فقیر کی نگاہوں میں ہشت ہزاری امراء بلکہ بادشاہ تک حقیر ہیں کیونکہ بادشاہی کی لذت معرفتِ الٰہی سے باز رکھتی ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۲۶)



وہ لوگ بڑے ہی غافل ہیں جو تھوڑا سا علم اور عقل حاصل کر کے اہل کل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۳۸)

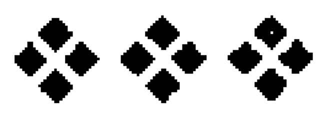


فقیر صاحب امر ہے

اگر بادشاہ ظل اللہ بھی ساری عمر طلب میں صرف کرے تو بھی ولی اللہ فقیر کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، لیکن اگر فقیر چاہے تو قربِ الٰہی کی توجہ سے بادشاہ کے ساتھ ملاقات کر سکتا ہے اور بادشاہ کو اس طرح اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کہ بادشاہ ننگے پاؤں بڑی عاجزی کے ساتھ حلقہ بگوش غلام کی طرح حاضر ہو جائے۔ (امیر الکونین صفحہ ۲)



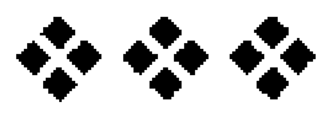
فقیر کُل ہے اور باقی تمام طبقات اولیاء مثلاً غوث وقطب وغیرہ کے مراتب بمنزلہ جزو ہیں۔(امیر الکونین صفحہ ۱۷)



جو عارف فقط نظر سے ہی علم کو رواں کر سکتا ہے اور توجہ سے طالبوں کو حضور میں پہنچا سکتا ہے، اُسے ظاہری علم پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

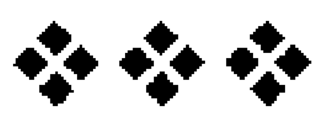
معرفت سے صاف آئینہ کی طرح تمام مراتب نظر آتے ہیں اور صاحبِ معرفت کو ہر مقام اور ہر مرتبہ کی نہ صرف واقفیت ہوتی ہے بلکہ وہ انہیں دیکھتا بھی ہے۔

(امیر الکونین صفحہ ۱۹)

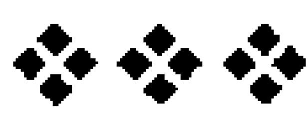


معرفت کی اصل نور ہے جس سے عارف کو دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے۔

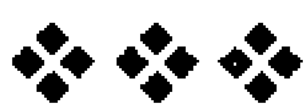
(امیر الکونین صفحہ ۲۲)



عارف فقیر کے چار گواہ ہیں: عیب پوشی، خاموشی، دستکاری اور کم آزاری۔ یہ چاروں باتیں فقر کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ جو ان صفات سے متصف نہیں، اسے فقیر نہیں کہہ سکتے بلکہ احمق، رُسوا اور بازاری ہے۔(امیر الکونین صفحہ ۳۱)



جو عارف سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو دیکھے، وہ مُرتد ہے اور اُس کی معرفت مردود ہے۔(امیر الکونین صفحہ ۱۰۶)

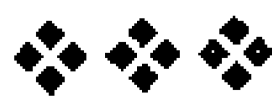


جاننا چاہیے کہ معرفت کی کیا علامت ہے اور عارف کی کون سی راہ ہے؟

معرفت کی علامت یہ ہے کہ قربِ الٰہی حاصل ہو اور عارف کی راہ یہ ہے کہ اُس کی نگاہ دیدارِ الٰہی پر ہو اور وہ طریقے سے واقف ہو۔ یہ مراتب سلطان العارفین کے ہیں......

عارف کی نگاہ ہمیشہ دیدار پر ہوتی ہے۔ سوائے دیدار کے اور کچھ دیکھنا اُس کی نگاہ کے لیے حرام ہوتا ہے۔

عارف کی ایک اور علامت یہ ہے کہ عارف کا طالب پہلے ہی روز عارف ہو جاتا ہے۔ (امیر الکونین صفحہ ۳۹)



عارف کے لیے حیات و موت یکساں ہے اگرچہ ظاہر میں ممات کے مراتب کی قوت کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں لیکن سب پر غالب ہوتے ہیں۔ اگرچہ خلقت انہیں جانتی ہے کہ وہ خاک تلے سوئے پڑے ہیں لیکن دراصل وہ قبران کے لیے قرب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم مجلس ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ فقیر جس طرح زندگی میں لوگوں کو طالب اور مرید کر کے تعلیم و تلقین کرتے ہیں، اسی طرح ممات میں بھی کیا کرتے ہیں بلکہ حیات سے دو چند۔

(امیر الکونین صفحہ ۱۰۷)



غیب کا جاننا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنا علم

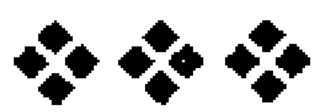
خاصہ سکھاتا ہے جیسا کہ علم لدُنّی ۔ بعض کو قربِ الٰہی سے الہام پیغام وصول ہوتا ہے۔
یہ راہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت کردہ ہے جو اس کا منکر ہے وہ مردود ہے، مردہ دل اور روسیاہ ہے، مردار کی جستجو کے درپے ہے۔
(امیر الکونین صفحہ ۱۱)



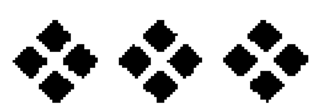
واضح رہے کہ شاعروں کے لیے علم بلاغت و فصاحت وغیرہ کا جاننا ضروری ہے اور فقراء کو قرب اور حضوری علم درکار ہے شاعر کا کلام ناقص یا خام ہو تو اس کے لیے باعثِ ذلت ہے لیکن اگر فقیر کا کلام خام ہو تو بھی شہد کی طرح میٹھا اور سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۲۰)



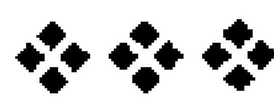
فقر کا مقام ایک گہرا سمندر ہے جو سدرۃ المنتہیٰ روح الامین کا مقام ہے اس حق الیقین مقام کو صرف اہلِ دین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ (محبت الاسرار صفحہ ۸)



کسی کامل فقیر کی جستجو کر۔
اگرچہ وہ دور دراز فاصلے پر رہتا ہو تو بھی اُس کی زیارت سے باز نہ رہ۔
(محکم الفقراء صفحہ ۱۶)



بے عقل وہ شخص ہے جو آخرت اور روزِ حشر کا خیال نہ کرے جس شخص کو اللہ تعالیٰ فقر کے حوالے کرتا ہے، وہی دنیا میں دانا اور عقل مند ہے۔ (محکم الفقراء صفحہ ۲۳)

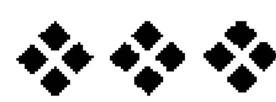


ہر چیز کی کسوٹی ہوا کرتی ہے سو علم کی کسوٹی فقر ہے۔ (جامع الاسرار صفحہ ۶)

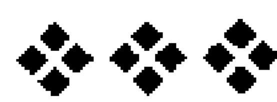


جس شخص کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اُس کے وجود اور نظر کو کیمیا بنا دیتا ہے۔

(جامع الاسرار صفحہ ۷)

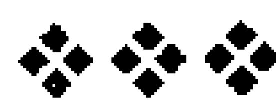


جس کا نام ولی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ پہلے اُسے بلا میں مبتلا کرتا ہے اللہ والے اُس بلا کو نعمت سمجھتے ہیں۔ (جامع الاسرار صفحہ ۲۳)



اکثر لوگ کہتے ہیں کہ فقیری مشکل ہے لیکن فقیر باہو کہتا ہے کہ فقیری مشکل نہیں مشکل وہ بات ہوتی ہے جو دِل کو اچھی نہ لگے۔

جس کو فقر دِل سے بھاتا ہے اُس کے لیے آسان ہے۔ اہل فقر دن رات اس واسطے ڈرتے ہیں کہ کہیں فقر ان کے ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ (جامع الاسرار صفحہ ۳۱)



واضح رہے کہ فقیری کوئی آبائی میراث نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یکتا ہونا ہے۔

فقیری سید یا قریش ہونے پر منحصر نہیں بلکہ عرفان پر منحصر ہے۔

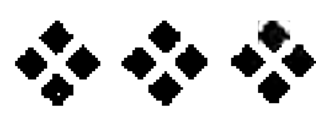
(جامع الاسرار صفحہ ۵۱)



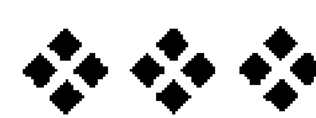
عشق کی راہ سخت کٹھن ہے۔

اگر جانا ہے تو عاشق ہو کر جاؤ ورنہ عاشقوں کا منہ نہ دیکھو۔

(جامع الاسرار صفحہ ۵۷)



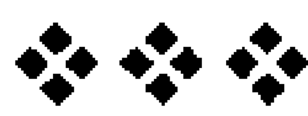
فقیر بمنزلہ آفتاب ہے جس قدر زیادہ نکلتا ہے اُسی قدر اُس کی روشنی اور تجلی، تاریکی اور اندھیرے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔ (جامع الاسرار صفحہ ۷۱)



غ

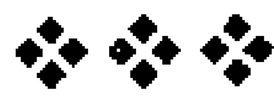
غوث قطب ہن اورے اویرے عاشق جان اگیرے ہو
جیہڑی منزل عاشق پہنچن اوتھے غوث نہ پاون پھیرے ہو
عاشق وچ وصال دے رہندے جنہاں لامکانی ڈیرے ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ہو

(غوث وقطب تو ادھر ہی رہتے ہیں، عاشق ان سے آگے نکل جاتے ہیں۔ جن منزلوں تک عاشق پہنچتے ہیں، وہاں غوث تو چکر بھی نہیں لگا سکتے۔ عاشق ہمیشہ وصال میں رہتے ہیں ان کے ڈیرے لامکان میں ہیں۔ میں ان پر قربان جاؤں باہوؔ جنہوں نے ذات میں بسیرا کیا ہے۔) (ابیات)



اہل فقر کا چہرہ عظمت وعزت کے باعث چودھویں کے چاند کی طرح ہوتا ہے اور اہل دنیا کا چہرہ نجات دنیوی کے باعث مکروہ اور گھناؤنا ہوتا ہے۔

قیامت کے دن علماء بھی حساب میں مبتلا ہوں گے اور اہل دنیا بھی علماء کو حلال کی وجہ سے ثواب حاصل ہوگا اور اہل دنیا کو عذاب لیکن فقیر عارف باللہ بے حجاب اور بے حساب ہوگا۔ (اسرار قادری صفحہ ۲۱)



جس فقیر کی نظر قربِ الٰہی پر ہے نہ کہ شاہی طمع پر وہ بادشاہ سے بڑھ کر ہے۔

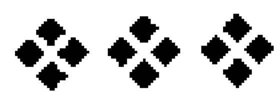
(اسرار قادری صفحہ ۷۱)



حق کو لے لے اور بدعت وکفر سے استغفار کر،

جو صاحبِ نظر ہے، وہ ہر طریق سے توحید سے نزدیک تر کر دیتا ہے۔

(اسرارِ قادری صفحہ ۱۹)



اولیاء اللہ قیامت تک ایک دوسرے کے قائم مقام ہو کر آفتاب کی طرح روشن رہیں گے۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۱۵)



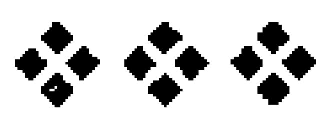
ہزاروں میں سے کوئی ایک آدھ ہی خدا پرست ہوتا ہے جو اپنے رب کے دیدار کی طلب میں زندہ قلب اور بیدار دل ہوتا ہے۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۳۱)



ایسے لوگوں سے ہزار بار استغفار ہے جو ظاہر میں ہر دلعزیز اور اہل دکان ہوتے ہیں لیکن ان کے باطن میں خباثت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی ہے، ایسے لوگ ایمان سے بالکل بے بہرہ اور بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سونے چاندی اور

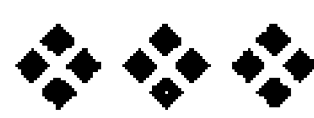
دنیاوی مال کی فکر میں رہتے ہیں، راہزن اور کافر ہوتے ہیں۔

فقیر وہی ہے جسے تحقیقی طریقہ حاصل ہو۔ ظاہر میں بااخلاص شریعت میں مضبوط اور مستحکم اور باطن میں معرفتِ الٰہی اُسے حاصل ہو۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۲۹)

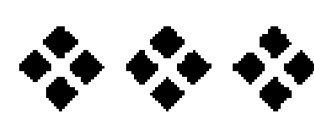


فقیر بادشاہ ہوتا ہے اور سائل گدا۔

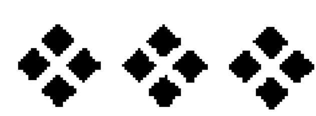
جس شخص کو ظاہری و باطنی تصرف حاصل نہیں، اُسے عارف باللہ فقیر نہیں کہہ سکتے۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۴۴)



فقیر غنی ہوتا ہے۔ اُس کو قربِ الٰہی کی وجہ سے غنایت حاصل ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی مال و اسباب کی وجہ سے۔ کیونکہ دنیاوی مال و اسباب کی وجہ سے جو غنایت حاصل ہوتی ہے، وہ باطل ہوتی ہے۔ (توفیق ہدایت صفحہ ۴۶)



دنیا میں سب سے بڑا مرتبہ بادشاہی ہے لیکن فقیر عارف باللہ اس کمینہ اور کمتر مرتبے کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتا۔



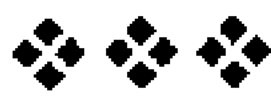
مثل ہے کہ جو بادل زیادہ گرجتے ہیں وہ برستے نہیں، یہی حال اہل کمال کا ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔

نهد شاخِ پُرمیوه سر بر زمین

(کلید التوحید خورد صفحہ ۱۹)



جو کچھ تو طلب کرنا چاہتا ہے، فقیر سے طلب کر۔ (قرب دیدار صفحہ ۳۹)



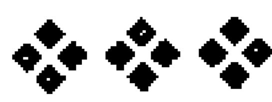
اہل محبت وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاضر و ناظر جانتے ہیں اور ان کی محبت میں غرق رہتے ہیں۔ (عین الفقر صفحہ ۱۰۰)



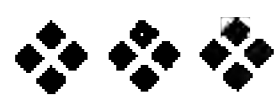
فقیری کسی کی ورثہ نہیں اور نہ اس کی حقیقت گفتگو سے دریافت ہو سکتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے جو دریا کی موج کی طرح ہے۔ فقراء ایسی موج کے منتظر رہتے ہیں کہ کب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۱۴)



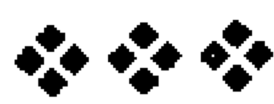
فقیر وہ ہے جس کے دل میں دونوں جہاں پوشیدہ ہیں۔ (عین الفقر صفحہ ۱۱۸)



جس طرح اہلِ دنیا مال و دولت کے لیے پریشان رہتے ہیں، اسی طرح فقراء دیدارِ الٰہی کے لیے پریشان رہتے ہیں۔ (عین الفقر صفحہ ۱۵۸)



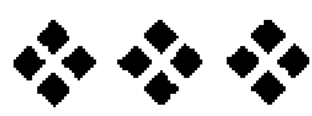
اہلِ عبادت مبتدی اور اہلِ معرفت منتہی ہیں، مبتدی منتہی کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۶۵)



دنیا میں دو گروہ آزاد ہیں: فقراء و سلاطین۔

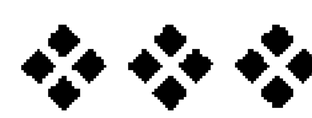
ان جیسی آزادی کسی کو نہ ہوئی ہو گی۔ فقراء اس وجہ سے بے نیاز ہیں کہ وہ بے نیاز کے ہم نشین ہیں۔ سلاطین اس لیے بے نیاز ہوتے ہیں کہ مال و زر کی محبت

میں مست رہتے ہیں۔ (عین الفقر صفحہ ۱۶۹)

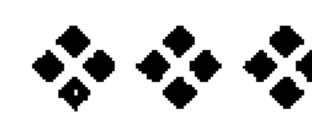


درویش صاحب شعور اور فقیر صاحب حضور کی یہ نشانی ہے کہ وہ اپنے دل میں دنیا کی محبت نہیں رکھتا۔

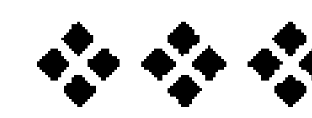
جو شخص ہوائے نفسانی کو چھوڑ دے، صاحب شوق ہے اور جو دنیا اور مال و زر کو چھوڑ دے، صاحب ذوق ہے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۸۱)



بعض درویش کہتے ہیں کہ محلہ اور ہر ایک شہر فقراء کی برکت سے قائم ہے بلکہ فقراء کا پھرنا اور سیر کرنا خالی از حکمت نہیں۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۵۴)



عارف بغیر حکم ربانی کسی شخص سے ہم کلام نہیں ہوتا۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۷۸)



جس طرح آفتاب کی نظر ہمیشہ پہاڑ پر پڑتی ہے ایسے ہی اللہ کی رحمت کی نظر عارفوں کے دِل پر پڑتی ہے۔ (کیونکہ دنیا کے ظلمت کدہ میں وہی نمایاں اور بلند ہوتے ہیں)

..........جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عرش و کرسی، لوح و قلم اور صورتِ انسان اور علم زبان اور عبادت کے ظاہری اعمال اور جنوں اور فرشتوں پر نہیں ہے بلکہ انسان کامل کے دِل پر ہے۔

اور انسانِ کامل انبیاء و اولیاء اللہ ہیں جن کے دِل ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۷۸)



فقراء آئینہ کی طرح ہیں۔ جس صورت میں فقیر کو دیکھے، اپنی صورت کی حقیقت ہی سامنے دکھائی دیتی ہے۔

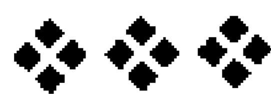
پس جو شخص فقیر کو بے برکت اور خالی جانے، وہ دونوں جہان میں بے برکت اور خالی ہے۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۱۳۷)



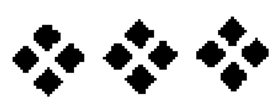
اور جس نے فتح و نصرت اور بادشاہی پائی، فقیر اور درویش سے پائی۔

بر درِ درویش رو ہر صبح و شام
تا ترا حاصل شود مطلب تمام

(ہر روز صبح و شام درویش کے دروازے پر حاضری دو تاکہ تمہیں پورا مقصد حاصل ہو) (محک الفقر کلاں صفحہ ۱۴۵)



زندہ دِل صاحب راز کو کوئی ریاضت درکار نہیں کہ وہ ہمیشہ باحضور رہے۔
(محک الفقر کلاں صفحہ ۱۹۳)



جس کو سِرّ کی خبر ہے، وہ ہمیشہ وَرقِ دِل کے مطالعہ میں رہتا ہے اور ہر مقام پر نگاہ رکھتا ہے۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۲۰۱)



فقر نعمت ہے اور یہ نعمت ہر کسی کو نہیں ملتی سوائے دوستانِ خدا مثل انبیاء و اولیاء کے۔

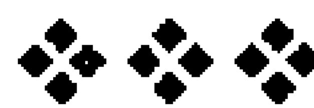
جو نبیوں اور ولیوں کے علاوہ فقر کا دعویٰ کرے، کاذب ہے۔

(محک الفقر کلاں صفحہ ۲۳۵)



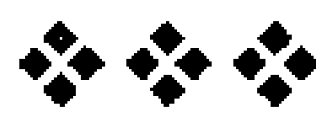
فقیر کا دشمن تین حکمتوں سے خالی نہیں۔ یا وہ منافق ہوگا، یا حاسد یا کافر۔

(محک الفقر کلاں صفحہ ۲۹۴)

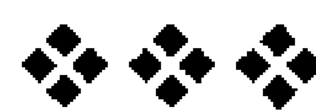


نہ ہر درویش صاحبِ ولایت و نظر ہے اور نہ ہر شخص لائق صحبت خضر علیہ السلام ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک فقیر صاحبِ تصرفِ سیم و زر ہوتا ہے۔

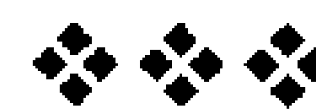
(نور الہدیٰ صفحہ ۱۱۷)



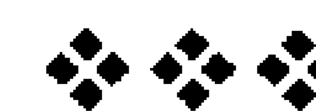
عارف صاحبِ مشاہدۂ احوال ہے۔ (نور الہدیٰ صفحہ ۱۴۱)



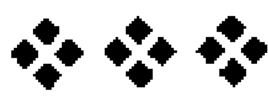
کیمیا نظر اُس شخص کو کہتے ہیں، جو ایک ہی نگاہ سے جاہل کو عالم بنا دے اور اُس پر تمام علوم منکشف کر دے۔ (مفتاح العارفین صفحہ ۵۳)



جو شخص صاحبِ قلب ہوتا ہے، اُسے دائمی اور سرمدی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۹)



اُسی فقیر کی زبان اللہ تعالیٰ کی تلوار ہو سکتی ہے جو ہمیشہ ذکر و فکر اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۵۴)



مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو فقراء کی برائے خدا خدمت نہیں کرتے بلکہ اُلٹا انہیں اینٹ پتھر مارتے ہیں۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۵۷)



فقیر کی زبان منہ میں ایسی ہے جیسے میان میں تلوار
اگر وہ تلوار سونتی جائے تو قہر فقیر قہر خدا کی صورت اختیار کر کے تمام جہان کو قتل کر دے کیونکہ فقراء کی زبان اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۵۷)



دیوانگی اور بے شعوری جنونیت کی علامت ہے۔ ایسے لوگ معرفتِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۵۹)



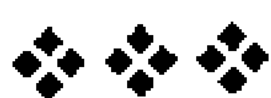
جو مہذب و متقی ہے روزِ ازل سے ہی شائستہ اور متقی ہے وہ لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے اور ان پر رحم کرتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۰۵)



ولی اللہ اس شخص کو کہتے ہیں جو سر سے پاؤں تک رحمتِ الٰہی میں لپٹا ہوا ہو۔
(کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۵۸)



فقیر ہونا آسان نہیں۔
فقر میں پروردگار کے اسرار عظیم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۶۴)



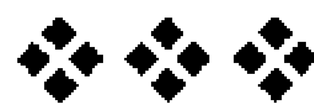
اہلِ دنیا کو لازم ہے کہ وہ فقراء سے التجا کریں لیکن فقیر کے لیے کسی دنیادار کا ملتجی ہونا گناہ ہے ہاں اگر اللہ کے حکم یا اجازت سے ایسا کرنا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

جو فقیر دِن رات اہل دنیا سے ہم پیالہ ونوالہ رہتا ہے وہ اہلِ دنیا سے بھی بدتر ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۵۵)



فقر اور معرفت کا مرتبہ تمام مرتبوں سے برتر عظیم اور کریم ہے۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۲۱۴)



تمام زمین درویشوں کے قدم کی برکت سے آباد ہے۔

جو درویشوں کا منکر ہے وہ دونوں جہان میں پریشان ہے۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۳۰۷)

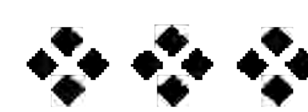


جن لوگوں کو فنافی التوحید اور معرفتِ الٰہی کا درجہ حاصل ہے ان کا ظاہر و باطن نور ہے خواہ وہ بظاہر خاک میں مدفون ہوں لوگوں کی نگاہ میں اہلِ قبور ہوتے ہیں لیکن یاد رکھو، موت اُن کے لیے (محض) ایک حجاب ہے۔ موت میں ان کے لیے ثواب ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۳۲۹)



اس راہ (فقر) میں بے درد نامراد ہے کیونکہ اہلِ دل کا علاج دردِ دل ہے۔

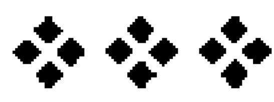
(کلید التوحید کلاں صفحہ ۳۲۹)



اہلِ دل کی کیا علامت ہوتی ہے؟

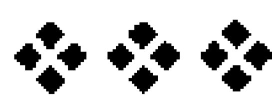
وہ روٹی کھاتا ہے اس جہان کی اور کام اُس جہان کا کرتا ہے۔

(جامع الاسرار صفحہ ۲۱)

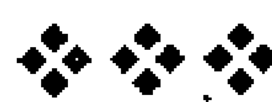


کامل فقیر علم کا فیض بخشتا ہے اور دستگیری کرتا ہے...... پس دنیاوی مال و متاع کو عارف فقیر کبھی قبول نہیں کرتا۔ یہ کام اہل فضل و فیض اور اہل مجلس کے لیے مفید نہیں۔

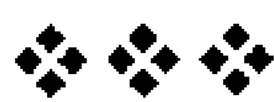
دنیاوی علم سے حیا جاتی رہتی ہے جو کہ حیات کا جزو ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۳۶)



با توفیق مُرشد غالب الامراور قافلہ سالار ہوتا ہے۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۲)



طالب مرشد کو نہیں پہچان سکتا، ہاں، مرشد طالب کو پہچان سکتا ہے طلب طالب کو اس طرح پہچان لیتی ہے جیسے قسمت اہل قسمت کو۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۰۶)



ہزاروں کتابوں کے سارے احوال مرشد کے قال کے ایک نکتے میں آ جاتے ہیں۔ (امیر الکونین صفحہ ۳۸)

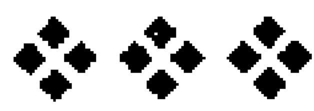


الف

ایہہ تن میرا چشماں ہووے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں ہِک کھولاں ہِک کجّاں ہو
اتنیاں ڈِٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے دل بھجاں ہو

مرشد دا دیدار ہے باھوؔ مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

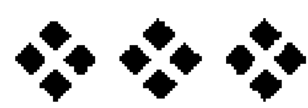
(میں مرشد کے دیدار سے سیر نہیں ہوتا کاش میرا سارا بدن آنکھ بن جائے۔ ہر روئیں کے ساتھ لاکھ آنکھیں پیدا ہو جائیں تاکہ ایک بند کروں تو دوسری کھل جائے۔ پھر بھی کسی طرح قرار نہ آئے تو بھاگ کر کہاں جاؤں۔ باھوؔ! مرشد کا دیدار میرے لیے لاکھ کروڑ حج کے برابر ہے) (ابیات)



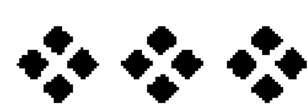
س

سَے روزے سَے نفل نمازاں سَے سجدے کر کر تھکے ہو
سَے واری مکے حج گزارن دِل دی دوڑ نہ مُکّے ہو
چلے چلیے جنگل بھَونا اس گل تھیں ناں پکے ہو
سبھے مطلب حاصل ہوندے باھو جد پیر نظر اک تکے ہو

(سینکڑوں روزے رکھے، نوافل نماز میں سجدے کر کر تھک گئے، سینکڑوں حج کیے مگر دِل کی دوڑ اختتام تک نہ پہنچی، جنگل میں چلّے کاٹے جنگلوں میں گھومے لیکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ باھو جب شیخ ایک نظر دیکھتا ہے تو سب مطالب حاصل ہو جاتے ہیں) (ابیات)



طالب کو چاہیے کہ اگر مرشد سے ایک دِن رات میں مقصد حاصل نہ ہو تو اُس سے کنارہ کشی کرے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ (جامع الاسرار صفحہ ۵۷)



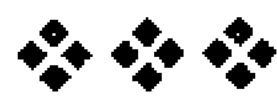
کامل مرشد وجودِ دِل کے دروازوں کی کنجی ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی تالے کی کلفت باقی نہیں رہتی ۔تمام مشکلات یکبارگی حل ہو جاتی ہیں ۔

(جامع الاسرار صفحہ ۷۵)



مرشد کا فیض بارانِ رحمت ہو یا موجِ دریا یا شعاعِ آفتاب کی طرح ہوتا ہے۔

(نور الہدیٰ صفحہ ۱۲۵)



جو شخص بیعت کے بعد طالب کو خدا رسیدہ نہ بنائے، وہ مرشد خدا کا دشمن ہے۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۹۴)

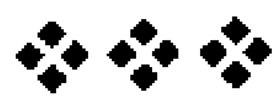


ک

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ہو
نال نگاہ دے پاک کریندا وچ سجی صبون نہ گھتے ہو
میلیاں نوں کر دیندا چٹا وچ ذرہ میل نہ رکھے ہو
ایسا مرشد ہووے باہو جیہڑا لوں لوں دے وچ وسے ہو

(کامل مرشد ایسا ہونا چاہیے جو دھوبی کی طرح صاف کر دے نگاہ سے دِل کو پاک کر دے میلوں کو صاف کر دے، ذرہ بھر میل نہ رہنے دے ایسا مرشد ہونا چاہیے جو لُوں لُوں میں سما جائے)

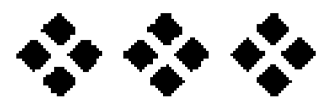
(ابیات)



الف

اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہُو؟
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہرجائی ہُو؟
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہُو؟
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہُو؟

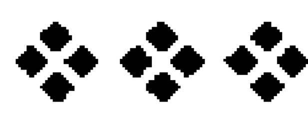
(اسم اللہ ذات چنبیلی کی بیل کی مانند ہے جو مرشد نے دل میں لگا دی۔ ذکرِ الٰہی سے اُس کے بیخ و بن کی آبیاری کی۔ اب پھلنے پھولنے پر آئی تو خوشبو ہر طرف پھیلنے لگی۔ مرشد کامل سلامت رہے جس نے یہ بوٹی لگائی۔)(ابیات)



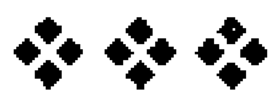
مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ آپس میں کوئی طالب اور کوئی مرشد بن بیٹھا ہے لیکن نہ طالب کو طالب کی حقیقت معلوم ہے نہ مرشد کو مرشد کی حقیقت سے واقفیت ہے۔ دونوں ہی احمق اور نادان ہیں۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۸۲)



خاص کی صحبت بھی معراج ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۴)



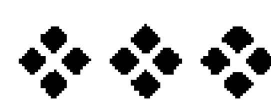
عاقل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بے عقل طمع نفس اور حرص و ہوا کی طرف مائل ہوتا ہے پس تجھے ان دونوں میں سے کون سی بات پسند ہے یا تو معرفت حق حاصل کر یا دنیا کی طرف رجوع کرے۔ (عقل بیدار صفحہ ۲۴)



نفس پرست عام ہیں اور خدا پرست کم۔ (عقل بیدار صفحہ ۳۹)



جس (طالبِ حق) کی نظر میں دنیا اور اہلِ دنیا کی وقعت ہے وہ دونوں جہان میں ملعون ہے، وہ درویش نہیں۔ (محبت الاسرار صفحہ ۱۵)



مرید ہونا آسان ہے مگر اپنی مراد اور خواہشوں کو چھوڑنا بہت مشکل ہے۔

(کلید التوحید خورد صفحہ ۲۶)



اے احمق! نفاقِ قلبی کی بیماری نے تیرے تمام وجود کو کھالیا ہے۔کسی طبیب القلوب کو تلاش کرتا کہ اس باطل مرض سے تیرے وجود کو صحت بخشے۔

(فضل اللقاء صفحہ ۲۲)

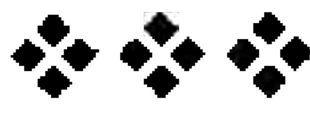


مردِ کامل وہ ہے جو حق کی طرف لے جاوے اور مرشدِ ناقص شیطان ہے جو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ (محک الفقراء کلاں صفحہ ۱۶۳)



اے طالبِ حق!
اگر تو سید ہے تو خُلق محمدی کی سند حاصل کر۔
اگر قریش ہے تو دِل ریش ہو۔
اگر عالم ہے تو درویشی طلب کر نہ کہ درپیشی۔

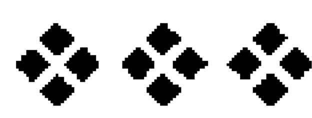
اگر جاہل ہے تو علم حاصل کر، وہ علم جو حق تک پہنچا دے اور جملہ ماسویٰ باطل کو مٹا دے۔ (نور الہدیٰ صفحہ ۱۹۸)



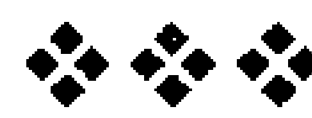
اے سید!

اگر تو صحیح معنوں میں سید اور سردار بننا چاہتا ہے تو اپنے جد امجد کے قدموں پر چلا جا اور ان کے اخلاق، اعمال اور افعال اختیار کر اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے حصول کے لیے مرشدِ کامل کو تلاش کر۔

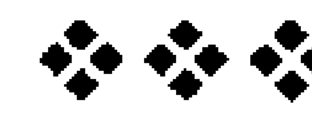
اگر تو نے کامل فقیر کو پالیا اور اس کا دل ہاتھ میں لے لیا..... تو بس دونوں جہان سے بے غم ہو گیا۔ (نور الہدیٰ صفحہ ۲۲۶)



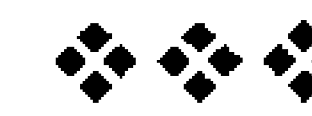
یاد رکھو کہ کل مقامات عرش سے فرش تک سب طالب حق کے امتحان کے لیے ہیں۔ ان میں جو مقام بھی خالق سے روک دے، وہی شیطان ہے۔ (مجالسۃ النبی صفحہ ۲۰)



جس طرح لوگ دِن رات کامل مرشد کی تلاش میں رہتے ہیں اسی طرح مرشد بھی کسی کامل طالب کی تلاش میں رہتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۶۷)



خود پسند طالب سالہا سال بھی مرشد کے حضور میں رہ کر بہ سبب بے ادبی وصال سے محروم رہتا ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۶۳)



توفیق محض عطائے الٰہی اور فیض خدا ہے جسے اللہ چاہے بے ریاضت عطا کر

دیتا ہے۔(امیر الکونین صفحہ ۱۳۲)



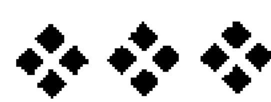
وہ کون سا علم ہے جس کے سبب شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے؟ وہ طمع اور حرص کا علم ہے جو پہلے وہ نفس کو سکھاتا ہے اور نفس اُس کے سبب بے دین ہو جاتا ہے۔

(عقل بیدار صفحہ ۲۶)

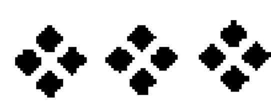


خدا کرے وہ سر ہی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کو سجدہ کرے۔
اور وہ آنکھ ہی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو دیکھے۔
اور وہ کان ہی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کے غیر کا کلام سنے۔
اور وہ زبان ہی نہ رہے جو اُس کے غیر کا ذکر کرے۔
اور وہ قدم ہی نہ رہے جو اُس کے سوا اُٹھایا جائے۔
اور وہ ہاتھ ہی نہ رہے جس سے اُس کے غیر کی دستگیری کی جائے۔
اور وہ کمر ہی نہ رہے جو اُس کے سوا کسی اور کی خدمت کے لیے باندھی جائے۔
اور وہ سینہ ہی نہ رہے جو اُس کے سوا کسی نجس کی نجات سے بھرا ہو۔
اور وہ دل ہی نہ رہے جو اُس کے سوا غیر کے قرب کا خیال کرے۔

(عقل بیدار صفحہ ۴۰)



عاشق کی دو صفتیں ہوتی ہیں، اول معشوق پر سے آنکھ نہیں اُٹھاتا۔
دوسرے مخلوقات کی ملامت کا خیال تک نہیں کرتا۔(عقل بیدار صفحہ ۵۵)

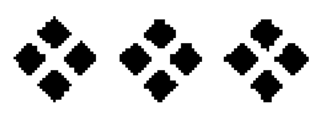


فقیر کے لیے اُس سے بڑھ کر اور کوئی بری بات نہیں کہ لوگوں کے ساتھ نیک و بد اور شور و شر کے بارے میں گفتگو کرے کیونکہ ایسا کرنے سے اُس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اُس کا کلام بھی بے تاثیر ہو جاتا ہے اور اُسے غم، کدورت، حجاب اور خطرات، معرفت و دیدار قربِ الٰہی سے باز رکھتے ہیں۔

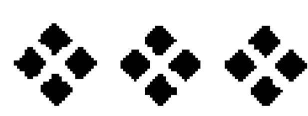
یہی وجہ ہے کہ کامل فقیر ہمیشہ خلوت گزیں ہوتے ہیں اور خلقت کو چھوڑ کر تنہا جنگلوں میں گزر بسر کرتے ہیں اور ہمیشہ مسافر ہی رہتے ہیں اور اپنے تئیں لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

اور اگر شہر میں رہتے ہیں تو بعض دیوانے بن جاتے ہیں اور بعض ظاہر میں مجذوب لیکن باطن میں محجوب بنے رہتے ہیں۔

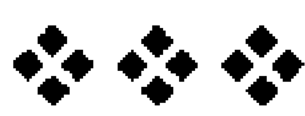
یار کے ساتھ انہیں بہار ہوتی ہے دیدار سے اُنہیں جمعیت حاصل ہوتی ہے۔
دیدار کے بغیر تو بہشت بھی بمنزلہ خار ہے! (عقل بیدار صفحہ ۶۰)



غفلت کی روئی کانوں سے نکال اور موت کو یاد کر۔
موت تیرے وجود میں ہے اور تیرا وجود موت کی غار ہے۔
(امیر الکونین صفحہ ۱۶۶)



جس شخص پر قہرِ الٰہی ہوتا ہے، اُس پر نفس، شیطان، دنیا اور گناہ غالب آتے ہیں اور وہ ان کا مطیع ہوتا ہے۔ (جامع الاسرار صفحہ ۳۷)



دنیا کے طالب ہر وقت اپنا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ان کی کوئی گھڑی اپنی فکر

سے خالی نہیں رہتی حتیٰ کہ اسی حالت میں مرجاتے ہیں۔(محک الفقراء خورد صفحہ ۲۲)



تمام انبیاء و اولیاء نے دنیا کو ترک کیا ہے اور اُس سے بیزاری ظاہر کی ہے۔پھر جو شخص ان کی خلاف ورزی کرے، کیونکر مسلمان ہو سکتا ہے۔

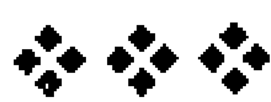
(گنج الاسرار صفحہ ۲۲)



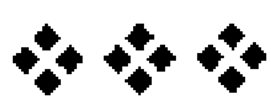
الف

اَدھی لعنت دنیا تائیں تے ساری دنیا داراں ہُو
جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ہُو
پیواں کولوں پتر کوہاوے بھٹھ دنیا مکاراں ہُو
جنھاں ترک دنیا دی کیتی باہو لَیسن باغ بہاراں ہُو

(آدھی لعنت دنیا پر اور ساری لعنت دنیاداروں پر، جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دولت خرچ نہ کی اُس پر غضب کی مار پڑے گی۔مکار دنیا پر لعنت ہو جو باپوں سے بیٹے ذبح کراتی ہے۔باہو! جن حضرات نے دنیا ترک کی وہی باغ و بہار سے لطف اندوز ہوں گے۔)(ابیات)



دنیاوی دام و دِرم وجود میں کیڑوں کی طرح ہیں۔ان کے سبب سے مختلف خیالات کی بیماری آرام و قرار نہیں لینے دیتی۔(کلید التوحید کلاں صفحہ ۴)



اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کی طلب کرنا، اُس میں مشغول ہونا غلط ہے اور غضب کا راستہ ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۰۵)

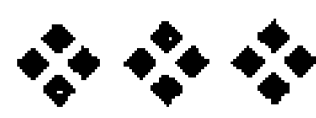


انسانی وجود غار کی طرح ہے جس میں نفس سانپ کی طرح بسیرا کیے ہوئے ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۳۴)

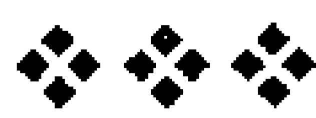


واضح رہے کہ سب سے بڑا گناہ تکبر اور خود پسندی ہے۔

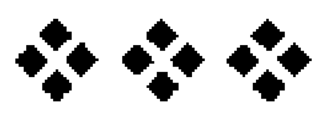
(کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۶۶)



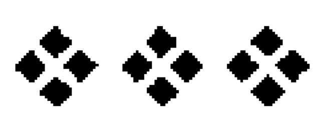
جو شخص پہلے اپنے نفس کو اپنا مطیع اور محکوم نہیں بناتا اُس کے لیے معرفتِ الٰہی حاصل کرنا محال ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۶۸)



خام اگر ساری عمر بھی ریاضت کرے تو بے فائدہ تکلیف اُٹھاتا ہے۔ معرفتِ الٰہی کے خزانے سے اُس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ ۲۶۴)



دِل ایک ایسا وسیع ملک ہے جس میں باقی تمام ملک سما سکتے ہیں لیکن یہ بلحاظ عظمت کسی ملک میں نہیں سما سکتا۔ (عقل بیدار صفحہ ۶۰)

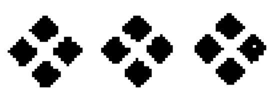


ذکر قلبی، روشنی اور جمعیت صرف زندہ قلب کو حاصل ہوتی ہے۔

(قرب دیدار صفحہ ۵۸)

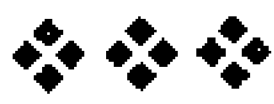


راہِ حق نہ علم میں ہے اور نہ جہل میں بلکہ صرف توفیق الٰہی اور اُس کی محبت و اخلاص میں ہے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۰۰)



درویش کے لیے ضروری ہے کہ لقمہ کھاتے وقت حاضر الوقت ہو۔

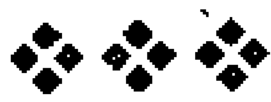
(مفتاح العارفین صفحہ ۷)



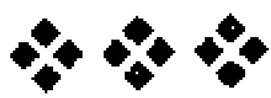
عمر ریت کی طرح ہے اور وجود شیشے کی مانند اور سانس کی آمدورفت ریت کی آمدورفت کی طرح ہے۔ (عقل بیدار صفحہ ۱۲۷)



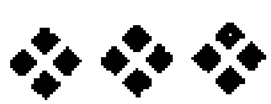
خاص الخاص آدمیوں کی نماز مشرف بدیدار ہوتی ہے۔ وہ روبرو سجدہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کی نماز رسمی ہوتی ہے۔ (امیر الکونین صفحہ ۹۹)



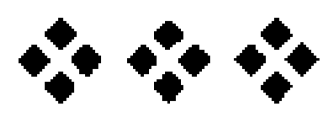
ریاضت کے چالیس چلّوں سے ایک رات کی اولیاء اللہ کی قبر کی ہم نشینی بہتر ہے۔ (محکم الفقراء صفحہ ۳۱)



عزیز من سنو! تم بے عقلی اور قیاس نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو نہیں پہچانتے۔ تمہاری جان لعلوں کی کان ہے جس سے تم مطلق بے خبر رہ کر حیران و سرگردان اور پریشان پھرتے ہیں۔ (اورنگ شاہی صفحہ ۱۷)

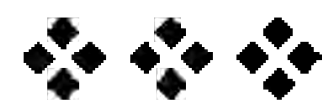


جو شخص محبت کی آگ میں نہیں جلا، اُس کے دِل پر دوزخ کی آگ جلے گی۔



خلقت سے مہربانی کرنا اور انہیں نہ ستانا نجات کا باعث ہے۔

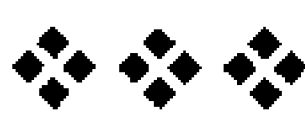
(توفیق ہدایت صفحہ ۴۶)



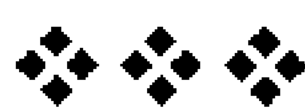
الف

ایہہ تَن رب سچے دا حجرہ وِچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو
شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھی وست کھڑاتی ہو
مرن تھیں اگے مَر دے باہوؔ جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو

(یہ بدن اللہ پاک کا حجرہ ہے، اس میں جھانک کر دیکھو۔ خواجہ خضر کی منت کرنے کی ضرورتِ نہیں، تمہارے باطن میں آبِ حیات موجود ہے۔ شوق کا چراغ روشن کرو شاید تمہیں اپنی کھوئی ہوئی چیز مل جائے۔ باہو وہ مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں جو حق کی رمز پہچان لیتے ہیں۔) (ابیات)



رزق انسان کی تلاش میں اس طرح رہتا ہے جس طرح موت اُس کی تلاش میں رہتی ہے۔ موت انسان کو کسی جگہ نہیں چھوڑتی اسی طرح اُس کی روزی بھی اُسے کہیں نہیں چھوڑتی۔ (عین الفقر صفحہ ۱۴۴)



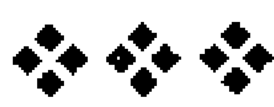
بہت علم پڑھنا فرض نہیں بلکہ گناہ سے بچنا فرض ہے۔ (عین الفقر صفحہ ۱۵۰)



خدا کے کسی کامل مرد کو دستگیر بنا تاکہ تُو کامل ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کامل بندے کے سوا اور کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ مرد وہی ہے جو اللہ کا طالب ہو...... اور دنیا کا طالب مغموم و پریشان رہتا ہے اور کسی کام نہیں آتا۔ (محک الفقر خورد صفحہ ۱۱)

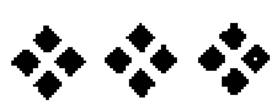


تو اگر چاہتا ہے پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جائے تو کسی مسلمان کو کسی طرح کا دکھ نہ پہنچا۔ (محک الفقر خورد صفحہ ۳۸)



دِل کا حجرہ اور خلوت، مٹی کے حجرے اور خلوت سے بہتر ہے۔ کیونکہ مٹی کا حجرہ کمتر ہے۔

جس نے پایا دِل کے حجرہ سے پایا اور جس نے دِل سے پایا وہ گِل سے دور ہو گیا۔ (محک الفقر کلاں صفحہ ۱۵۳)



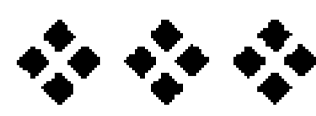
اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن مجید) اللہ کا خزانہ ہے نامحرم اُس کو نہیں پہچانتا۔

(محک الفقر کلاں صفحہ ۲۸۵)

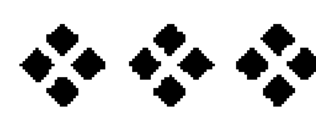


جو شخص سادات کو رضامند نہیں کرتا۔ اُس کا باطن ہرگز صاف نہیں ہوتا اور معرفتِ الٰہی کو نہیں پہچانتا۔ کیونکہ جو سادات کا خادم ہو وہ بالآخر مخدوم ہو جاتا ہے اور جو آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اولادِ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا

منکر ہے، وہ معرفت سے محروم ہے۔(نور الہدیٰ صفحہ ۲۲۱)

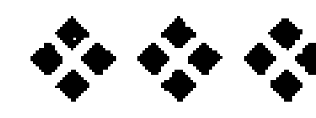


عقل مند وہی ہے جو اپنے آپ کو تحقیق کرے کہ میں ازل سے کیالایا تھااور اب دنیا سے کیا لیے جاتا ہوں اور عاقبت میں مجھے کیا نعمت ملے گی۔(مفتاح العارفین صفحہ ۶)



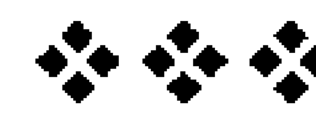
پہلے لقمۂ حلال حاصل کر، بعد ازاں فقر میں قدم رکھ جب تک نفس کو فقر و فاقہ دنیاوی لذتوں سے زیادہ معلوم نہ ہو، معرفتِ الٰہی کی راہ اس پر منکشف نہیں ہوتی۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۱۵۵)

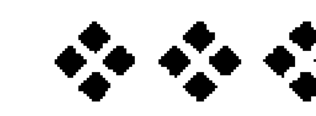


جس میں خلق خلیلؑ ہے، وہ رب جلیل کا ہم نشین ہے۔

(کلید التوحید کلاں صفحہ ۲۶۷)



تجھے معلوم نہیں کہ مکھن سے بڑھ کر کوئی چیز نرم اور ملائم نہیں کیونکہ جب ذرا سی گرمی اُسے پہنچتی ہے تو نرم ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح درویشوں، فقیروں اور مومنوں کا دِل دوسرے کی گرمی سے جنبش میں آتا ہے یا کسی مومن بھائی کی تکلیف کو دیکھ کر ان کے نرم دِل کو ٹھیس لگتی ہے۔(کلید التوحید کلاں صفحہ ۲۸۵)



ج

جے رب ناتیاں دھوتیاں مِلدا تاں مِلدا ڈڈواں مچھیاں ہو

جے رب لمیاں والاں ملدا تاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہو

جے رب راتیں جاگیاں ملدا تاں ملدا کال کڑ چھیاں ہو

انہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہو رب ملدا دلاں ہچھیاں ہو

(اگر رب نہانے دھونے سے مل جاتا تو مینڈکوں اور مچھلیوں کو ملتا۔ اگر رب لمبے بال رکھنے سے ملتا تو بھیڑوں اور بکریوں کو ملتا۔ اگر رب راتوں کو جاگنے سے ملتا تو چڑیوں اور پرندوں کو ملتا۔ ان باتوں سے رب حاصل نہیں ہوتا۔ باہوؒ، رب ملتا ہے تو دلوں کو صاف کرنے سے)(ابیات)



شرحِ اصطلاحاتِ صوفیہ

(استفادہ از "اصطلاحاتِ صوفیہ" مؤلفہ شاہ عبدالصمد چشتی و "سرِ دلبراں" مولفہ سید محمد ذوقی)

احوال

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فیوضات نازل ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے اُس کا باطن صاف ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے مولا کے قریب ہو جاتا ہے، اُن فیوضات کے نازک ہونے کے اثرات کو "احوال" کہتے ہیں۔ "صاحب مشاہدۂ احوال" اُس فقیر کو کہیں گے جس پر یہ تمام فیوضات وارد ہو چکے ہوں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ مقام اُسے حاصل ہو چکا ہو۔

استغراق

حضرت سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کے سلوک فقر میں ذکر میں غایت درجے کی توجہ کا یہ انتہائی مقام ہے جو صرف فنافی اللہ فقیر کامل کو حاصل ہوتا ہے۔ رسالہ "روحی" میں انتہائے مقام پر انتہائی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے متعلق فرماتے ہیں:

"پرتوِ شعاعِ حضرت کبریا بندہ را ذرہ وارد را بحارِ استغراق مستغرق ساخت۔"

.(حضرت کبریا کی شعاع کے عکس نے بندہ کو ذرہ کی طرح
استغراق کے سمندروں میں غرق کر دیا)
استغراق نبوت کے خصائص میں سے ہے:
"یہ استغراق ایسے ہی نفوس کو حاصل ہو سکتا ہے جو رذائل سے
پاک ہوں، فواحش سے منزہ ہوں، فساد سے دور ہوں، طبیعت کے
غلبہ سے آزاد ہوں کیونکہ نفس جب تک ان آفاتِ محسوسہ میں
مشغول رہے، اُس کا عالم بالا کی جانب توجہ محال ہے۔"

(سرِّ دلبراں)

استقامت

جملہ احکام شریعت و طریقت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانا اور اُس پر مداومت کرنا۔

الہام

جب درویش دِل صاف کر لیتا ہے تو اُس کے قلب پر واردات نازل ہوتی ہیں اور کسی استدلال کے بغیر وہ ان پر کامل یقین رکھتا ہے، انہیں الہام کہا جاتا ہے۔

انسانِ کامل

تمام مخلوقات میں انسان افضل اور اکمل ہے اور انسانوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے اکمل اور ارفع ہیں اس لیے آپ انسانِ کامل ہیں۔ "دوسروں کو یہ رتبہ آپ ہی کی برکت اور آپ ہی کی پیروی و متابعت اور آپ ہی کی محبت سے ظلّی

طور پر حاصل ہوتا ہے۔" (سرِّ دلبراں)

اس لیے اولیاء اللہ کو بھی انسانِ کامل کہہ دیتے ہیں۔

تجلی

(جمیع تجلیات)......لغت میں تجلی ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں......

ہر وہ شان اور وہ کیفیت اور وہ حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اُس کی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو تجلی ہے......

"تجلی کے لیے استقامت کی ضرورت ہے۔" (سرِّ دلبراں)

تجلی کے انوار دراصل حکمتِ الٰہیہ کے فیض کے انوار ہیں اور یہ بے شمار ہیں۔ انتہائی مقام پر ان کو محدود الفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جا سکتا اسی لیے حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

گر کنم شرحِ تجلی را تمام
دفترش گرد و رقم از خاص و عام

(اگر میں مکمل طور پر تجلی کی شرح کروں تو خاص و عام کے لیے دفتروں کے دفتر لکھ لیے جائیں۔)

(احوال و مقامات حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۴۰)

تلقین

مرشد ایک تو طالبِ حق کو ظاہری تعلیم دیتا ہے یعنی عبادت و ذکر کے ظاہری طور طریق بتاتا ہے اور دوسرے روحانی ہمت و توجہ سے اُس کے باطن پر اس طرح

اثر انداز ہوتا ہے کہ طالب سب کچھ بھول کر اطاعتِ حق میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اسے تلقین کہتے ہیں۔

توفیق

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ توفیق کو ایک ایسا نور سمجھتے ہیں جو فقیر کو حاصل ہوتا ہے۔

"نورِ توفیق" ایک عظیم قوت ہے۔ فقیر جب کسی کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ظاہری و باطنی حالات موافق ہو جاتے ہیں اور نورِ توفیق کی قوت سے ساری مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ مرشد کی حیثیت سے جب وہ طالبِ حق پر توجہ کرتا ہے تو براہِ راست اُس کے قلب و روح کو صفائی اور روشنی بخشتا ہے اور اُس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہرتی۔

جمعیت

"ماسوائے اللہ سے روگردانی کرنا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔"

حال و مقام

سالک کے دِل پر کوشش سے یا کوشش کے بغیر یا کسی نسبت کے طفیل جو کیفیات وارد ہوتی ہیں، ان میں سے ہر کیفیت حال ہے۔

جب کوئی کیفیت کوشش کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہو اور قائم رہ جائے تو پھر وہ حال کی بجائے مقام کہلاتی ہے۔

حاضر الوقت

موجودہ اور حاضر موقع پر توجہ اللہ کی طرف رہے تو یہ حاضر الوقت ہوتا ہے۔

حضور، حضوری

"خلق سے بےزار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا" یہ توجہ اگر مسلسل قائم رہے تو یہ حضور یا حضوری کی کیفیت ہے۔ جن لوگوں کو ذکر و فکر میں اہل اللہ کی صحبت کے طفیل یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، انہیں اہل حضور کہتے ہیں۔

حق

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے۔

صوفیاء کرام خلق کے مقابل میں "حق" بولتے ہیں۔

قرب کے مراتب کو بھی حق کہتے ہیں جو شریعت و طریقت کے مطابق عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔

حق الیقین

یقین کے تین درجے ہیں۔

۱۔ علم الیقین یعنی معتبر ذرائع اور معتبر دلائل سے کسی چیز کا یقین ہو۔

۲۔ عین الیقین۔ اُس چیز کا خود بھی مشاہدہ کر لینا۔

۳۔ حق الیقین یقین کا آخری درجہ یہ ہے کہ اُس چیز کی ماہیت اور اثرات کو مکمل طور پر پا لیا جائے۔

اصطلاحاتِ صوفیہ کی رو سے "ظاہر شریعت پر عامل ہونا علم الیقین ہے۔ اس میں اخلاص و محبت کا پیدا ہو جانا عین الیقین ہے اور اس کا مشاہدہ حاصل ہو جانا حق الیقین ہے۔"

خام

ایسے طالب کو جو فقر کے حلقہ میں آجانے کے باوجود دنیا کی رغبت رکھتا ہو یا یکسو ہو کر مرشد کی ہدایت پر عمل پیرا نہ ہوتا ہو، خام کہیں گے۔

درد

عاشق کی اس حالت کا نام درد ہے، جب غلبۂ شوق اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کی برداشت سے باہر ہو۔ اس حالت میں عاشق ایسا بے چین ہوتا ہے کہ کسی کل کروٹ چین نہیں پا سکتا۔ (اصطلاحاتِ صوفیہ)

"درد اس قلق اور سوزشِ درونی کو کہتے ہیں جو عاشق فراقِ محبوب اور آرزوئے وصال میں محسوس کرتا ہے اور یہ انسان ہی کا حصہ ہے۔" (سرِ دلبراں)

دِل

دِل کو "لطیفۂ روحانی اور لطیفۂ ربانی" کہا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا شعور ہے جو بیدار ہوتا ہے تو خدا تک پہنچا دیتا ہے جس میں اس کا تعلق اسی دِل سے ہے جو معروف طور پر سینے میں بائیں طرف موجود ہے۔ مرشد کی رہنمائی میں اس پر ذکر کو جاری کرنے سے یہ روحانی شعور بیدار ہو جاتا ہے۔

جس درویش کے دل میں ذکر ہمیشہ کے لیے رواں ہو جائے، اُسے زندہ دِل کہتے ہیں۔

دیدار

"ہر شے میں، ہر ذرہ میں ذات حق سبحانہ تعالیٰ کو دیکھنا" دیدار کہلاتا ہے۔

راز

راز سے مراد معرفت ہے۔
"صاحب راز" وہی مرد عارف ہے جسے معرفت حاصل ہوتی ہے۔

روح الامین

جبرائیل علیہ السلام کو کہتے ہیں "کیونکہ وہ ایک ایسی روح ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے علم کا خزانہ بطور امانت کے سپرد کیا گیا۔"

ریاضت

"موافق شریعت وطریقت عبادات شاقہ مثلاً کثرت روزہ، نماز، ذکر، نوافل، اعتکاف، چلہ کشی وغیرہ۔
تزکیہ نفس اور تہذیبِ اخلاق اور اوصاف ملکوتی کے حصول میں مشقت اٹھانا۔"

سِر

ویسے تو الٰہی بھید کو سِر کہتے ہیں مگر ایک اور سیاق وسباق میں "قلب" کو اگر

بندے کی ذات کا مرکز قرار دیا جائے تو پھر آگے قلب کا مرکز ''روح'' اور پھر روح کا مرکز ''سِر'' ہوگا۔اس کا پالینا گویا معرفت کے ایک مصدر ومنبع کو پالینا ہے۔اس سے آگے پھر سر کے مراکز بھی ہیں جنہیں خفی اور اخفیٰ کہتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ

''وہ انتہائی مقام جس کے ذریعے سے مخلوق اپنی سَیر میں خدائے تعالیٰ تک پہنچتی ہے۔اس سے اوپر کسی کی رسائی نہیں۔''

شعور

''معرفتِ ذاتِ حق سبحانہٗ'' کو صوفیاء کرام شعور کہتے ہیں۔

شوق

''دِل کا طلب حق میں بڑھنا اور وصل یار حاصل ہونے پر بھی طلب میں کمی نہ آنا بلکہ زیادہ ہونا'' شوق ہے۔

بقول حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ شوق طلب وصال کو کہتے ہیں۔شوق عموماً غائب چیز کے لیے پیدا ہوتا ہے برعکس ذوق کے جو حاضر یعنی کسی چیز کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔

ذوق

''ذکرِ محبوب یا دیدار معشوق سے عاشق کا مست و بے خود ہو جانا ذوق ہے۔''
نیز اصطلاحاتِ صوفیہ کی رو سے معرفت میں ذوق سے مراد وہ نور ہے جو ''اللہ تعالیٰ'' کی

طرف سے اولیاء اللہ کے دلوں پر وارد ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اس نورِ معرفت کے ذریعہ سے حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں۔"

عشق

عشق کی کوئی جامع تعریف مختصراً بیان نہیں کی جا سکتی۔

"اس کا پہلا درجہ محبت ہے" محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔ کسی میں حسن و خوبی کی ایک جھلک کا دیکھ لینا اور اس کی جانب طبیعت کا مائل ہو جانا۔" (سرِّ دلبراں)

محبت کا انتہائی مرتبہ عشق ہے۔

اب عشق و محبت کی کیفیات اور کئی مراحل ہیں جن کے تجربات سے شعراء کے اور صوفیاء کے دواوین بھرے پڑے ہیں۔ یہ محبت ہر انسانی عمل خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی کو متاثر کرتی ہے اور اُسے ایک خاص رنگ میں رنگ دیتی ہے، محبت کے ڈانڈے پھر معرفت سے جا ملتے ہیں چنانچہ دونوں کو لازم و ملزوم قرار دے دیا گیا ہے۔

"محبت معرفت کی محتاج ہے اور معرفت محبت کی...... یعنی بلا معرفت کے محبت پیدا نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے معرفت میں ترقی نہیں ہوتی۔"

عارف

"عارف وہ شخص ہے جسے ذات و صفات کا مشاہدہ حاصل ہو، اور موجودات کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ ہو اور سلوک کے سارے مراتب طے کر چکا ہو اور ان کے سارے اسرار اس پر منکشف ہو چکے ہوں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

"عارف باللہ کا ابتدائی مرتبہ عامل عالم کا انتہائی مرتبہ ہے اور عارف باللہ کی انتہا فقیر کامل کے مراتب ہیں۔" (قربِ دیدار صفحہ ۱۱)

سلطان العارفین وہ ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو مدنظر رکھتا ہے اور خود بھی اللہ کی نظر میں منظور رہتا ہے۔

عارف معرفت میں دوسرے درویشوں کی نسبت ممتاز ہوتا ہے۔

معرفت وعرفان

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کو معرفت وعرفان کہتے ہیں۔ یہ علم اور ایمان کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ محض عقل اِس تک نہیں پہنچ پاتی۔ عقل کی رسائی صرف آثار تک ہے اس کی مثال یوں دی گئی ہے کہ اگر سورج کی شعاعیں پانی میں پڑ کر دیوار پر اپنا عکس ڈال رہی ہوں تو صرف ان کو دیکھنے والا نہ آفتاب کو دیکھ رہا ہوتا ہے نہ اس روشنی کو دیکھ پاتا ہے جس سے پانی منور ہوا ہے۔ عقل گویا صرف دیوار پر عکس دیکھ سکتی ہے مگر ایمان کی آنکھ الہام وکشف سے آفتاب اور اس کی روشنی کو بھی دیکھ لیتی ہے۔

فلسفی جو صرف عقل سے کام لیتا ہے آثار تک پہنچ جاتا ہے مگر فقیر حقیقت کو پا لیتا ہے جس کے محض آثار تک فلسفی کی رسائی ہوتی ہے۔

فقیر فنا فی اللہ فنا فی التوحد کو معرفت ذاتی حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ جہاں رہے اور جس حال میں ہو اس کی نظر صرف ذات پر رہتی ہے۔ وہ اللہ سے صرف اللہ کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان کے اسرار ورموز اس پر کشف فرماتا ہے۔

(اصطلاحاتِ صوفیہ صفحہ ۹۷)

فقر

عشق کی طرح فقر کی جامع تعریف مشکل ہے کیونکہ یہ ایک زاویہ نظر بھی ہے اور اسلوبِ حیات بھی۔ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے مطابق فقر خاص طور پر ان اقدار کا حامل ہوتا ہے۔

۱۔ عشق

۲۔ علم

۳۔ ذکر و فکر

۴۔ ترکِ دنیا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دو (۲) صفات استغناء اور توکل

۵۔ تسخیر و تصرف

(تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کی تصنیف احوال و مقامات حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ: باب ۴)

فقیر

جو درویش یا طالبِ حق مذکورہ بالا ایجابی صفات اپنی شخصیت و کردار میں جذب کر لیتا ہے اور کمال حاصل کر لیتا ہے فقیر کہلاتا ہے حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کے تمام مدارج کی بڑی وضاحت سے تشریح کی ہے ان کے نزدیک کامل و مکمل فقیر مالک الملکی ہوتا ہے جس کے "قبضے میں اسم اللہ ذات کی برکت سے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام روئے زمین کا ہر ایک ملک اور ہر ایک ولایت ہوتی ہے۔"

(دیکھئے مذکورہ بالا کتاب کا باب ۴)

فنا فی اللہ

جب اللہ کی یاد میں جان و تن کا ہوش تک نہ رہے تو یہ فنا ہے۔ اس فنا کے بعد ایک ایسا شعور ملتا ہے جو ہمیشہ باقی رہتا ہے، اُسے بقا کہتے ہیں فقر و درویشی میں ترقی کے تین درجے ہیں فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ یہ گویا تین زینے ہیں جن کے ذریعے فقیر روحانیت کی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔

۱۔ فنا فی الشیخ: جب درویش مرشد کی پیروی میں کامل طور پر منہمک ہو جاتا ہے اور شیخ کی محبت اور اتباع میں کمال کو پہنچتا ہے۔

۲۔ فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: فقیر کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت و اتباع میں محو ہو جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر آپ کی پیروی کرنا۔

۳۔ فنا فی اللہ: یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس سے مراد ہے فقر و درویشی کے سارے عروج و نزول کے مراحل طے کر کے ذاتِ حق سبحانہٗ میں محو ہو جانا۔
سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی جامع کیفیت "استغراق" ہے۔

فنا فی التوحید

اپنی ذات اور خلق کی ذات کو ایک ہی ذات میں فنا کر دینا "ہو اللہ احد" اسے فنائے ذاتی کہتے ہیں۔ "اس مرتبہ میں بندہ اپنی ذات سے غائب اور ذاتِ حق سے حاضر ہو جاتا ہے۔" (سرِّ دلبراں)

فیض

"فیض جذبہ باطنی کا نام ہے۔" (اصطلاحاتِ صوفیہ)

جب مرشد کسی بھی مقصد، ارادے یا نیت کے ساتھ مرید یا طالبِ حق کے دِل پر توجہ کے ساتھ اپنے جذبہ باطنی کا پرتو ڈالتا ہے تو اسے فیض کہتے ہیں۔

قلب

صوفیاء کے نزدیک قلب انسان کی ذات کا مرکزی جوہر ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔

انسانیت کے اسی جوہر کو، جو ہر انسان میں موجود ہے، عرشِ الٰہی اور نورِ الٰہی کہا گیا ہے۔ مرشد کی توجہ اور ذکر و فکر سے اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

یہ قلب اللہ کے ذکر اور نتیجتاً محبت و معرفت سے معمور ہو جاتا ہے تو اسے زندہ قلب کہتے ہیں۔

طلب سے مراد طالب مولیٰ ہے کیونکہ اہل طالبِ تصوف کے یہاں یہی ایک طلب ہے۔ طلبِ کامل اور طلبِ صادق اُسے کہتے ہیں کہ شب و روز اپنے مولا کی یاد سے غافل نہ ہو اور دنیا و آخرت کی نعمتوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو اور ہر روز بلکہ ہر آن طلب بڑھتی جائے۔

طالبِ حق یا طالبِ صادق وہی ہے جس کی طلب ایسی ہو جس کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب کسی مقام پر پہنچ کر بس نہیں کرتا بلکہ ہر مقام پر پہنچ کر اس سے اعلیٰ کو شش کرتا ہے۔

(اصطلاحاتِ صوفیہ)

ظل اللہ

”ظل اللہ انسانِ کامل کو کہتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ممکنات کا انتظام اُس کے ذریعہ سے فرماتا ہے۔“(اصطلاحاتِ صوفیہ)

ظاہر میں حکمران یا بادشاہ کو بھی کہہ دیتے ہیں۔

کامل

”کامل وہ شخص ہے جس کے تمام مقامات سلوک طے ہو چکے ہوں اور واصل الحق ہوگیا ہو۔“(اصطلاحاتِ صوفیہ)

مکمل اکمل اس کے آخری دو درجے ہیں۔

کرامت

اگر کسی ولی سے عام عادت کے خلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اگر کسی نبی سے ظاہر ہو تو اُسے معجزہ کہتے ہیں۔

اگر کسی غیر مسلم یا جادوگر سے ظاہر ہو تو اُسے اِستدراج کہتے ہیں۔

کُل

”حق سبحانہٗ تعالیٰ کا نام ہے جو تمام اسماءِ الٰہیہ کا جامع ہے۔“

(اصطلاحاتِ صوفیہ)

صاحبِ کل وہ اولی الامر فقیر ہوتا ہے جو تمام صفاتِ الٰہی کو اپنے اندر جذب کر چکا ہو اور دنیا میں اُس کی جملہ صفات کا مظہر ہو۔ ایسا فقیر اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ

قَدِیۡر کا مظہر ہوتا ہے اور تمام ممکنات اُس کے سامنے مسخر ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ایسا وسیلہ ہوتا ہے کہ ادھر وہ کسی کام کا خیال کرتا ہے اور اُدھر وہ ہو جاتا ہے۔

کنہ

ہر شے کی حقیقت اور ماہیت کو کنہ کہتے ہیں۔

مرشد

"مرشد وہ شخص ہے جو لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کرے اور اُس کے طریقے بتائے۔" (اصطلاحاتِ صوفیہ)

مرید

"وہ شخص ہے جو اپنے ارادہ کو ارادۃ اللہ میں محو کر دے اور اُسے یقین ہو کہ جو کچھ ہوتا ہے ارادۂ حق سبحانہٗ سے ہوتا ہے۔ یہ شخص راضی برضائے حق ہوتا ہے۔"

(اصطلاحاتِ صوفیہ)

مشاہدہ

"تجلیاتِ حق کو بلا حجاب دیکھنا" (اصطلاحاتِ صوفیہ)

نیز "تجلیات کا پیہم ہونا" (سرِّ دلبراں)

نظر

"حق سبحانہٗ تعالیٰ کو صفات کے پردے میں دیکھنا" (اصطلاحاتِ صوفیہ)

جو مرشد دوسروں کو یہ نظر عطا کرے، صاحبِ نظر ہوتا ہے۔

نور

اللہ تعالیٰ کا نام ہے نیز ان تمام واردات اور تجربات روحانی کو بھی نور کا نام دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالبِ حق کے دِل پر نازل یا منکشف ہوں۔
حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نور کیا چیز ہے؟ نور ایک غیر مخلوق اور باطنی قوت ہے جو حروف اسم اللہ ذات سے نمودار ہوتی ہے، یہی انوار و وسیلہ دیدار ہیں اور نصیب اولیاء اللہ زندہ دِل و عقل بیدار ہیں۔''

(نور الہدیٰ کلاں صفحہ ۱۸۶)

وصل، وصال

حق تک پہنچنا اور حق کو پا لینا۔ وصل قربِ حق کا وہ مقام ہے جہاں طالب ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے پھر ایک لمحہ کے لیے بھی یادِ حق سے غافل نہیں ہوتا اور ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے۔

جسے حق کا ایسا وصال نصیب ہو جاتا ہے وہ خود ''حق'' بن جاتا ہے۔

ولایت

یہ دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔

۱۔ و کے نیچے زیر ہو یعنی وِلایت۔

وِلایت قرب کا انتہائی مقام ہے جو دونوں جہان میں دائمی طور پر ولی کو

حاصل ہوتا ہے۔

"ولایت سے مراد وہ ولایت ہے جس میں وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جو خلق میں مقبولیت کا باعث ہوں مثلاً خوارق و تصرفات تکوینی۔" (سرِّ دلبراں)

۲۔ وکے او پر زبر یعنی وَلایت۔

وَلایت کے معنی ہیں "خود واصل بحق ہو کر دوسروں کی حاجت روائی کرنا اور خدمتِ امت پر کمر بستہ ہو جانا۔" (اصطلاحاتِ صوفیہ)

"اس سے مراد وہ وَلایت ہے جس میں بندہ کو حق تعالیٰ کی جانب سے وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جن سے طلبِ الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالے جاتے ہیں۔" اور انہیں "مقاماتِ قرب تک پہنچایا جاتا ہے۔" (سرِّ دلبراں)

